بیاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ / شیخ التفسیر حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتیؒ

ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ

جلد: ۲۸ / شمارہ: ۱۱ ○ نومبر ۲۰۱۷ء مطابق صفر المظفر ۱۴۳۹ھ

مؤسس: ابوعمار زاہد الراشدی ○ مدیر مسئول: محمد عمار خان ناصر

کلمہ حق	اہل کتاب سے متعلق اسلام کا زاویہ نظر / شدت پسندی کا مقابلہ اور ریاستی ترجیحات	محمد عمار خان ناصر	۲
آراء و افکار	اردو تراجم قرآن پر ایک نظر ۔ ۳۶	ڈاکٹر محی الدین غازی	۱۲
	دور جدید کا حدیثی ذخیرہ، ایک تعارفی جائزہ [۴]	مولانا سمیع اللہ سعدی	۱۸
	فقاہت راوی کی شرط اور احناف کا موقف [۲]	مولانا عبید اختر رحمانی	۲۹
حالات و واقعات	دینی مدارس، دہشت گردی اور عالمی پالیسی ساز طاقتیں	ڈاکٹر ابراہیم موسیٰ	۴۳
	جنرل باجوہ اور بلوچستان / دینی مدارس کو درپیش آزمائش / پاکستان پیپلز پارٹی کا تحفظ ختم نبوت سیمینار	ابوعمار زاہد الراشدی	۵۱

مجلس مشاورت: قاضی محمد رویس خان ایوبی - ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی - پروفیسر غلام رسول عدیم
حافظ صفوان محمد چوہان - سید متین احمد شاہ

مجلس تحریر: زاہد صدیق مغل - سمیع اللہ سعدی - عاصم بخشی - محمد یوسف ایڈووکیٹ
حافظ محمد رشید - محمد بلال فاروقی - حافظ عبد الغنی محمدی

انتظامیہ: ناصر الدین خان عامر - عبد الرزاق خان - حافظ محمد طاہر

زر تعاون: سالانہ 400 روپے۔ بیرون ملک سے: 30 امریکی ڈالر
دفتر انتظامی: مکتبہ امام اہل سنت، جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ۔ 0306-6426001
خط کتابت کے لیے: ماہنامہ الشریعہ، پوسٹ بکس 331 گوجرانوالہ
ای میل: aknasir2003@yahoo.com ۔ ویب سائٹ: www.alsharia.org
ناشر: حافظ محمد عبد المتین خان زاہد ۔ طابع: مسعود اختر پرنٹرز، میکلوڈ روڈ، لاہور

خاطرات

محمد عمار خان ناصر

اہل کتاب سے متعلق اسلام کا زاویہ نظر

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کو دنیا کی اقوام تک اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت اور اس کا پیغام پہنچانے کا جو منصب اور ذمہ داری سونپی گئی ہے، وہ دراصل اسی ذمہ داری کا ایک تسلسل ہے جو اس سے پہلے یہودیوں اور مسیحیوں کو دی گئی تھی، لیکن یہ دونوں گروہ رفتہ رفتہ راہ راست سے ہٹ گئے اور دین کی اصل اور حقیقی تعلیمات ان کے ہاتھوں بگاڑ کا شکار ہوگئیں۔

مذکورہ دونوں گروہوں سے متعلق قرآن مجید نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے، اس کے مختلف پہلو ہیں اور ان کو سامنے رکھا جائے تو مذہبی اختلافات کے حوالے سے توازن اور اعتدال کا ایک حسین نمونہ ہمارے سامنے آتا ہے جس کی ہمارے دین نے ہمیں تعلیم دی ہے۔

ان سطور میں ہم قرآن وسنت کی روشنی میں اس بات پر غور کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو اپنے پیش روان دونوں گروہوں کے متعلق کیا ہدایات دی ہیں اور ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

انبیاء اور صحف سماوی کی طرف نسبت

سب سے پہلی بات تو ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ قرآن نے ان گروہوں کے ''اہل الکتاب'' کی تعبیر اختیار کی ہے جس کا مطلب ہے اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان رکھنے والے لوگ۔ یہ بڑی اہم اور قابل غور بات ہے، کیونکہ قرآن مجید نے ان دونوں گروہوں پر جو بنیادی تنقید کی ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کی حقیقی تعلیمات کو مسخ کر دیا ہے اور گمراہی اور انحراف کا شکار ہو چکے ہیں۔ اس کے باوجود جب قرآن ان کے لیے ''اہل الکتاب'' کی تعبیر استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بگاڑ اور انحراف کے باوجود آسمانی کتابوں کی طرف ان کی اس نسبت کو اصولی طور پر تسلیم کرتا ہے۔

ان گروہوں کے لیے قرآن نے جو بعض دوسری تعبیریں استعمال کی ہیں، ان سے بھی یہی پہلو سامنے آتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الحدید کی آیت ۲۷ میں نصاریٰ کا ذکر ''الذین اتبعوہ'' (جنھوں نے مسیح کی پیروی اختیار کی) کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ آل عمران میں حضرت مسیح سے رفع آسمانی کے وقت ان سے جو وعدے کیے

گئے، ان میں سے ایک وعدے کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا ہے کہ ''میں تمھارے پیروکاروں (یعنی نصاریٰ) کو قیامت تک منکروں (یعنی یہود) پر غالب رکھوں گا۔'' (آیت ۵۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے انحراف کی نشان دہی کرتے ہوئے بھی نصاریٰ کی اس نسبت کو اصولاً قبول کرتا ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔

قرآن مجید کے بیان کے مطابق قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ مسیحیوں کے اس عقیدے کی بابت اپنے پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام سے باز پرس فرمائیں گے تو حضرت مسیح اس مشرکانہ عقیدے سے تو صاف صاف براءت کا اعلان کریں گے، لیکن اپنی پیروی کا دعویٰ کرنے والی امت سے لاتعلقی ظاہر نہیں کریں گے، بلکہ بڑے ہی لطیف انداز میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی امت کی مغفرت کی درخواست پیش کریں گے۔ سورۂ مائدہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا مسیح کی درخواست یوں نقل فرمائی ہے:

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ، وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ، فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ، وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ، إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ، وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (آیت ۱۱۶، ۱۱۷)

''میں نے تو ان سے وہی بات کہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا، یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی۔ اور جب تک میں ان میں رہا، ان پر نگران رہا، لیکن جب تو نے مجھے اپنے پاس بلا لیا تو پھر تو ہی ان پر نگران تھا اور تو تو ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ اگر تو انھیں عذاب دے تو (تیرا اختیار ہے)، یہ تیرے بندے ہیں اور اگر انھیں معاف کر دے تو (کون تجھے پوچھنے والا ہے)، بے شک تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔''

مشرکین اور اہل کتاب میں فرق

قرآن مجید نے اہل کتاب میں سے نصاریٰ کے اس عقیدے کی پرزور تردید فرمائی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام معاذ اللہ الوہیت میں شریک تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ، وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ، إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ، وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ (المائدہ، آیت ۷۲)

''یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل، اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی۔ بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، اس پر اللہ نے جنت کو حرام قرار دیا ہے اور ظالموں کو (قیامت کے روز) کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔''

حقیقت کے لحاظ سے نصاریٰ کا یہ عقیدہ شرک ہی ہے، لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہی دوسری جگہ عقیدۂ توحید کو مسلمانوں اور اہل کتاب کے مابین ایک متفقہ اور مشترکہ اساس بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل

عمران میں فرمایا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ، فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (سورۂ آل عمران، آیت ۶۴)

''کہہ دو کہ اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے مابین مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کچھ لوگ اللہ کے علاوہ کچھ دوسرے لوگوں کو رب نہ بنالیں۔ پھر اگر یہ پھر جائیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں۔''

غور کیا جائے تو قرآن مجید کا یہ اسلوب دو بڑے اہم نکات کی طرف ہماری راہ نمائی کرتا ہے:

اس سے ایک بات تو یہ واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ اہل کتاب، خاص طور پر نصاریٰ مشرکانہ عقائد اختیار کیے ہوئے تھے، لیکن چونکہ وہ اصولاً توحید کے قائل اور علم بردار تھے اور اپنے ان عقائد کو شرک سمجھتے ہوئے اقراری طور پر ''مشرک'' نہیں تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں ''مشرکین'' سے الگ شمار کرتے ہوئے ''توحید'' کو ان کے اور مسلمانوں کے مابین ایک مشترک نکتہ تسلیم فرمایا ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے دوسرا انتہائی اہم نکتہ یہ واضح ہوتا ہے کہ دعوت دین کے میدان میں داعی کی اصل توجہ اس پر ہونی چاہیے کہ وہ اپنے اور مدعو کے مابین مشترک طور پر مسلمہ نکات کو تلاش کرے اور انھیں اپنی دعوت کی بنیاد بنائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشترک اساسات کے بغیر دعوت کے عمل کو آگے بڑھانا ممکن نہیں ہوتا۔ اگر فریقین کے مابین کوئی بھی نکتہ اشتراک نہ ہو تو گفتگو، مکالمہ اور دعوت کا عمل شروع ہی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن نے یہاں ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ مخاطب اگر کسی اصول کو لفظی طور پر مان رہا ہو، جبکہ عمل کے لحاظ سے اس کی نفی کر رہا ہو تو اس کے دعوے کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر گفتگو کی بنیاد رکھی جائے اور اسے سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ تم جس بات کو اصولاً تسلیم کرتے ہو، تمھارے فلاں اور فلاں نظریات واعمال اس کی نفی کرتے ہیں۔

یہاں یہ بات سمجھنا بڑا اہم ہے کہ قرآن نے اہل کتاب کے، توحید سے ٹکرانے والے عقائد اور رویوں کو یہاں الزامی انداز میں بیان نہیں کیا اور یوں نہیں کہا کہ تم تو غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے ہو، اللہ کے ساتھ شریک بھی ٹھہراتے ہو اور انسانوں کو اپنا رب بھی بناتے ہو، اس لیے تمھارے دعوائے توحید کی کیا وقعت ہے؟ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے مثبت پہلو سے بات کی ہے اور عقیدۂ توحید میں مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان اصولی اشتراک کو بنیاد بنا کر انھیں یہ دعوت دی ہے کہ آؤ، اس عقیدے کو لفظاً ومعناً اور اس کی حقیقی روح کے مطابق تمام تر لوازم کے ساتھ اختیار کر لیں۔

قرآن مجید نے اہل کتاب کے، اصولی طور پر عقیدۂ توحید کو ماننے کا لحاظ شرعی احکام کے دائرے میں بھی کیا ہے اور اس ضمن میں مشرکین اور اہل کتاب کے لیے الگ الگ احکام مقرر فرمائے ہیں۔ چنانچہ اسلامی شریعت میں کسی مشرک

کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے اور کسی مشرک مرد یا عورت کے ساتھ نکاح کرنا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں رکھا گیا، لیکن اس کے برخلاف اہل کتاب کے متعلق یہ اجازت دی گئی ہے کہ ان کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت بھی کھایا جا سکتا ہے اور ان کی پاک دامن عورتوں سے مسلمان مرد نکاح بھی کر سکتے ہیں۔ (سورۂ مائدہ، آیت ۵)

اہل کتاب کے ساتھ مذہبی رواداری

اہل کتاب کے ساتھ دین ابراہیمی کی اساسی تعلیمات میں اشتراک نیز دعوت دین کی حکمت کے ان اصولوں کے تحت ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ و تابعین میں ہمیں اہل کتاب کے ساتھ ہمدردی و تعلق خاطر اور رواداری و احترام کی بڑی عمدہ اور غیر معمولی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً دیکھیے:

o مکی عہد نبوت میں جب روم کے مسیحیوں اور فارس کے مجوسیوں کے مابین جنگ میں رومیوں کو شکست ہوئی تو مسلمان بہت غمگین ہوئے۔ رومیوں کے ساتھ اس ہمدردی کو قرآن مجید نے بنظر استحسان دیکھا اور سورۃ الروم کی ابتدائی آیات میں مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ وعدہ فرمایا کہ عنقریب رومیوں کو ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہوگا اور اس دن مسلمانوں کو خوشی حاصل ہوگی۔

روایات میں منقول ہے کہ اس موقع پر مشرکین مکہ اور مسلمان نے گویا دو کیمپوں کی صورت اختیار کر لی اور مشرکین نے اہل فارس کو اپنے بھائی قرار دے کر اس فتح پر خوشی منائی، جبکہ مسلمانوں نے ان کے مقابلے میں اہل کتاب کو اپنے بھائی کہہ کر ان کی شکست پر اظہار غم کیا۔ تفسیر طبری میں عکرمہ سے روایت ہے:

> ''مشرکین نے مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ بھی اہل کتاب ہو اور نصاریٰ بھی اہل کتاب ہیں، جبکہ ہم امی ہیں اور ہمارے بھائی یعنی اہل فارس تمہارے اہل کتاب بھائیوں پر غالب آ گئے ہیں۔ اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نکل کر کفار کے پاس گئے اور کہا کہ کیا تم اپنے بھائیوں کے ہمارے بھائیوں پر غالب آنے پر خوش ہو رہے ہو؟ خوش مت ہو، اللہ تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا نہیں کرے گا۔ بخدا، اہل روم اہل فارس پر غالب آ کر رہیں گے۔'' (تفسیر طبری، تفسیر سورۃ الروم، آیت ۲)

o سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے بنائے جانے والے گھروں میں مسجدوں کے ساتھ ساتھ اہل کتاب کی قائم کردہ عبادت گاہوں کا بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ وہ جگہیں ہیں جن میں اللہ کو کثرت سے یاد کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيراً (آیت ۴۰)

> ''اور اگر اللہ نے انسانوں (کے فتنہ وفساد) کو دوسرے انسانوں کے ذریعے سے دفع کرنے کا قانون نہ بنایا ہوتا تو راہب خانوں، کلیساؤں، گرجوں اور مسجدوں تک کو گرا دیا جاتا جن میں اللہ کو کثرت سے یاد کیا جاتا ہے۔''

o جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو یہاں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے۔

ان کی تالیف قلب کی خاطر اور انھیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے سولہ سترہ ماہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان کعبہ کے بجائے اہل کتاب کے قبلہ یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، حدیث ۴۱)

o فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل کے نجات پانے کی خوشی میں مدینہ منورہ کے یہود محرم کی دس تاریخ کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موافقت میں عاشورا کا روزہ رکھنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا اور فرمایا کہ ''میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان سے زیادہ تعلق رکھتا ہوں۔'' (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، حدیث ۳۱۶۸)

o ایک انصاری نے یہ جملہ زبان سے ادا کرنے پر ایک یہودی کو تھپڑ مار دیا کہ: ''اس اللہ کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت عطا کی ہے'' اور کہا کہ تم موسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل قرار دیتے ہو؟ یہودی شکایت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ اس کی شکایت سن کر انصاری سے شدید ناراض ہوئے اور یہود کے مذہبی جذبات کی رعایت سے صحابہ کو اس بات سے منع فرما دیا کہ وہ ان کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام سے افضل قرار دیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الخصومات، حدیث ۲۲۸۰)

o ۹ ہجری میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے انھیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ جب عصر کی نماز کا وقت آیا اور انھوں نے نماز پڑھنی چاہی تو صحابہ نے ان کو روک دیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انھیں نماز پڑھنے دو۔ چنانچہ انھوں نے مسجد نبوی ہی میں مشرق کی سمت میں اپنے قبلے کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱۰۸/۴)

o ایک موقع پر آپ اپنے صحابہ کے ساتھ راستے میں کسی جگہ تشریف فرما تھے۔ ایک شخص کا جنازہ وہاں سے گزرا تو آپ اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے تو آپ نے فرمایا: ''کیا وہ انسان نہیں ہے؟'' (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۱۲)

o عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جن معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے کوئی واضح ہدایت نہیں ملی ہوتی تھی، ان میں آپ اہل کتاب کے قوانین اور طریقوں کے مطابق فیصلہ کرنا پسند فرماتے تھے۔ اسی طرح اہل کتاب کی تالیف قلب کی غرض سے آپ نے وضع قطع سے متعلق امور میں بھی مشرکین کے مقابلے میں اہل کتاب کے طریقے کی موافقت کو پسند فرمایا۔ (صحیح بخاری، کتاب اللباس، رقم ۵۵۷۳)

o حضرت عمر کے عہد خلافت میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو شہر کا دورہ کرتے ہوئے آپ نے کلیسائے مریم کے قریب نماز ادا کی۔ اس موقع پر انھیں تھوکنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے اپنے کپڑے میں تھوکا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ اسی گرجے میں ہی تھوک دیتے، کیونکہ یہاں تو اللہ کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے۔ سیدنا عمر نے جواب میں فرمایا کہ اگر یہاں اللہ کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے تو کثرت سے اللہ کو یاد بھی تو کیا جاتا ہے۔ (الاصابہ فی تمییز

الصحابہ، ترجمہ ابوشعیب، ۷/۲۱۲)

o عہد صحابہ میں ہمیں اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ اگر کسی مسلمان کا کوئی یہودی یا مسیحی عزیز وفات پا جاتا تو صحابہ اس کے جنازے کے ساتھ جاتے اور تجہیز وتکفین میں شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ جلیل القدر تابعی شعبی بیان کرتے ہیں کہ حارث بن ابی ربیعہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا جو مسیحی تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، رقم ۱۱۹۶۴)

o اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان نے جب اپنے دور میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کردہ مسجد (ہیکل سلیمانی) میں موجود مقدس کے اوپر گنبد (قبۃ الصخرہ) کی تعمیر کا فیصلہ کیا تو اس کے انتظام وانصرام میں یہودیوں کو بھی شریک کیا اور مذہبی رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہودیوں کو یہاں بطور مجاور خدمت انجام دینے کا موقع فراہم کیا۔ پندرہویں صدی کے عرب مورخ قاضی القضاۃ مجیر الدین الحنبلی (۱۴۹۶ء) نے اپنی کتاب میں اس کی حسب ذیل تفصیل نقل کی ہے:

''مسجد اقصیٰ کے لیے دس یہودی خادم مقرر کیے گئے جن سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ اگلی نسلوں میں ان کی تعداد بڑھ کر بیس ہو گئی۔ ان کے ذمے گرمی سردی کے موسم اور زیارت کے ایام میں مسجد اور اس کے ارد گرد طہارت خانوں کے کوڑا کرکٹ کو صاف کرنا تھا۔ اسی طرح دس مسیحی خاندانوں کو نسل در نسل مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لیے مقرر کیا گیا۔ یہ مسجد کے لیے چٹائیاں تیار کرنے کے علاوہ ان چٹائیوں اور اس نالی کی صفائی کرتے تھے جس سے گزر کر پانی حوضوں تک آتا تھا۔ دیگر کاموں کے علاوہ پانی کے حوضوں کی صفائی بھی انھی کے ذمے تھی۔ مسجد کے یہودی خادموں کی ایک جماعت شیشے کے چراغ، پیالے اور فانوس وغیرہ تیار کرتی تھی اور ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ اسی طرح وہ خادم بھی جزیہ سے مستثنیٰ تھے جنھیں چراغوں کی بتیوں کی دیکھ بھال پر مامور کیا گیا تھا۔ ان کو یہ ذمہ داری عبد الملک کے زمانے سے لے کر ہمیشہ کے لیے نسل در نسل سونپ دی گئی تھی۔'' (''الانس الجلیل بتاریخ القدس والخلیل''، ص ۲۸۱)

o فقہا تصریح کرتے ہیں کہ اہل کتاب اگر مسجد اقصیٰ کے لیے مال وقف کرنا چاہیں تو ان کی مذہبی وابستگی کے تناظر میں ایسا کرنا درست ہوگا اور ان کا وقف کیا ہوا مال قبول کیا جائے گا۔ ابن الہمام ''فتح القدیر'' میں لکھتے ہیں:

''اگر ذمی مسجد اقصیٰ کے لیے مال وقف کرے تو جائز ہے، کیونکہ یہ ان کے نزدیک بھی کار ثواب ہے اور ہمارے نزدیک بھی۔'' (فتح القدیر، کتاب الشرکہ، ۶/۲۰۱)

اہل کتاب کے ساتھ مباحثہ ومجادلہ

قرآن مجید نے ایک عام اصول کے طور پر اس کی تلقین کی ہے کہ دوسرے مذہبی گروہوں کے ساتھ بحث ومباحثہ کرتے ہوئے اور ان کی غلطی کو واضح کرتے ہوئے شائستہ اور حکیمانہ اسلوب اختیار کیا جائے اور کسی کے جذبات کو مجروح کرنے سے گریز کرتے ہوئے ہمدردی اور خیر خواہی سے اسے صحیح بات سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ سورۃ النحل

میں فرمایا:

اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ، إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيْلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (آیت ۱۲۵)

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے سے بلاؤ اور ان لوگوں کے ساتھ ایسے طریقے سے بحث کرو جو سب سے اچھا ہو۔ بے شک رب خوب جانتا ہے ان کو جو اس کی راہ سے بھٹک گئے اور خوب جانتا ہے ان کو بھی جو ہدایت یافتہ ہیں۔''

قرآن مجید نے یہی حکیمانہ ہدایت اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ کے حوالے سے بھی بطور خاص بیان کی ہے۔ چنانچہ سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ، إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ، وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِيْ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ، وَإِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ (آیت ۴۶)

''اور اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ نہ کرو مگر اسی طریقے سے جو سب سے اچھا ہو۔ ہاں، ان میں سے جو لوگ ظالم ہیں (ان کے ساتھ بحث کی ضرورت نہیں)۔ اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر بھی جو ہماری طرف اور تمھاری طرف اتارا گیا اور ہمارا اور تمھارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے احکام الٰہی کے حوالے سے یہود کے مبنی بر خیانت رویے کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ اسی طرز عمل کے حامل ہیں اور ان کی خیانت کی مثالیں مسلسل تمھارے سامنے آتی رہیں گی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہود کے عیب کھولنے اور ان کی خیانتوں کو زیادہ موضوع نہ بنایا جائے، بلکہ درگزر سے کام لیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آیت ۱۳)

''اور تم مسلسل ان کی خیانتوں پر مطلع ہوتے رہو گے، ان میں سے تھوڑے ہی لوگ ہیں جو اس سے پاک ہوں۔ سو ان کو معاف کرتے رہو اور درگزر کرو۔ بے شک اللہ اچھا برتاؤ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اہل کتاب کے ساتھ دوستی یا دشمنی؟

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۂ عرب میں قرآن کی دعوت پیش کی تو اس کا ردعمل مشرکین اور اہل کتاب کے مختلف گروہوں کی طرف سے مختلف انداز میں سامنے آیا۔ بعض نے کھلم کھلا دشمنی کا طریقہ اختیار کیا، بعض نے اہل اسلام کے ساتھ ہمدردی اور مشکل حالات میں ان کی مدد کا رویہ اپنایا، جبکہ بہت سے گروہوں نے غیر جانب دار رہنے کو ترجیح دی۔

اسلام کا اصول یہ ہے کہ وہ غیر مسلموں کو علی الاطلاق اسلام یا مسلمانوں کا دشمن قرار نہیں دیتا، بلکہ کسی بھی گروہ کے

ساتھ تعلقات کی نوعیت کا فیصلہ خود اس گروہ کے رویے کی روشنی میں کرتا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں قرآن مجید میں مختلف گروہوں کے اختیار کردہ رویے کے مطابق ان کے ساتھ تعلقات رکھنے کی ہدایت کی گئی۔ چنانچہ مشرکین عرب کے جو گروہ اسلام اور مسلمانوں کا وجود برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور موقع ملنے پر انھیں نابود کر دینے کے خواب دیکھ رہے تھے، ان کے ساتھ کوئی ہمدردی یا تعلق خاطر رکھنے کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے منافی قرار دیا اور ان کے لیے محبت اور دوستی کے جذبات ظاہر کرنے والے مسلمانوں کو سخت تنبیہ فرمائی۔ اس کے برخلاف جو گروہ اسلام کی دعوت کو قبول نہ کرتے ہوئے بھی مسلمانوں کی جان و مال یا ان کے مذہب کے دشمن نہیں بنے، ان کے ساتھ مصالحانہ تعلقات اور اچھے برتاؤ کی تلقین کی گئی۔ سورۂ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّنْ دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ، إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّيْنِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ، وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (آیت ۸، ۹)

”اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تمھارے ساتھ لڑائی نہیں کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے، تم ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور انصاف سے کام لو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تو تمھیں صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی بڑھانے سے منع کرتا ہے جنھوں نے دین کے معاملے میں تمھارے ساتھ جنگ کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے پر ایک دوسرے کی مدد کی۔ اور جو ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں، وہی ظالم ہیں۔“

مشرکین کی طرح اہل کتاب کے بیشتر گروہ بھی جزیرۂ عرب میں ایک نئے دین کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، خاص طور پر ایسا دین جو ان کے غلط عقائد کی تردید اور احکام الٰہی سے ان کے انحرافات پر تنقید کرتا ہو۔ قرآن نے ان کے اسی رویے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ”یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی اختیار نہ کر لو۔“ (البقرہ، آیت ۱۲۰) اپنے اسی رویے کی وجہ سے ان گروہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کو اپنا وتیرہ بنا لیا اور انھیں نقصان پہنچانے اور کمزور کرنے کی ہر ممکن سعی میں مصروف ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو ایسے گروہوں سے چوکنا رہنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ بعض کمزور مسلمانوں نے ان گروہوں کے اثر و رسوخ سے مرعوب ہو کر یا بعض دوسرے اسباب کے تحت ان کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانا چاہیں تو قرآن نے سخت الفاظ میں انھیں متنبہ کیا اور فرمایا کہ اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے برعکس ان گروہوں سے دوستیاں بنانے والوں کا شمار اللہ کے نزدیک انھی میں ہوتا ہے اور ایسے لوگ یقیناً ظالم ہیں۔ (سورۃ المائدہ، آیت ۵۱)

تاہم عہد نبوی میں ہمیں ایسے اہل کتاب بھی ملتے ہیں جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ہمدردانہ اور دوستانہ طرز عمل اختیار کیا، بلکہ نازک مواقع پر مسلمانوں کی مدد بھی کی۔ اس حوالے سے سب سے نمایاں مثال حبشہ کے

بادشاہ نجاشی کی ہے جس نے کفار مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مظلوم مسلمانوں کو اپنے ملک میں نہ صرف پناہ فراہم کی، بلکہ مشرکین کے مطالبے کے باوجود ان مسلمانوں کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجتاً مکہ سے ہجرت کر کے جانے والے بہت سے مسلمان کئی سال تک امن وعافیت کے ساتھ حبشہ کی سرزمین میں مقیم رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی تناظر میں صحابہ کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ آپ کے بعد جب مسلمان اردگرد کے ممالک کو فتح کرنے کے لیے نکلیں تو اہل حبشہ جب تک مسلمانوں کے خلاف جنگ میں پہل نہ کریں، ان کے خلاف جنگ نہ کی جائے۔ (سنن ابی داود، کتاب الملاحم، حدیث ۴۳۰۲)

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے اہل کتاب میں کچھ گروہ ایسے بھی تھے جو دیانت داری اور خدا خوفی جیسے اوصاف سے متصف تھے اور مذہبی تعلیمات کے اشتراک کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ تعلق خاطر بھی محسوس کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے گروہوں کا ذکر تحسین کے انداز میں کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں مسلمانوں کے بارے میں رویے کے حوالے سے یہود اور نصاریٰ کا تقابل کرتے ہوئے فرمایا:

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا، وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوَا إِنَّا نَصَارَى، ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَاناً وَأَنَّهُمْ لاَ يَسْتَكْبِرُونَ (آیت ۸۲)

”تم لوگوں میں اہل ایمان کے لیے دشمنی میں سب سے بڑھ کر یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے، جبکہ اہل ایمان کے لیے سب سے زیادہ قلبی محبت رکھنے والا ان کو پاؤ گے جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں علماء اور عبادت گزار لوگ ہوتے ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔“

مفسر زمخشریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے نرم رویے اور مسلمانوں کے ساتھ تعلق خاطر کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ان میں علماء اور عبادت گزار لوگ ہوتے ہیں اور وہ ایسی قوم ہیں جن میں تواضع اور عجز ہوتا ہے اور تکبر سے پاک ہوتے ہیں، جبکہ یہودیوں کی حالت اس کے برعکس ہے۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ علم کا حصول، یہاں تک کہ مسیحی علماء کا حصول علم، سب سے زیادہ نفع بخش اور خیر کی طرف راہ نمائی کرنے والا اور کامیابی کے راستے کی طرف لے جانے والا عمل ہے۔ یہی معاملہ آخرت کی فکر اور انجام کو یاد رکھنے کا ہے، چاہے وہ کسی راہب میں ہو۔ اسی طرح تکبر سے پاک ہونا ہے، چاہے یہ صفت کسی نصرانی میں ہو۔“ (الکشاف،)

خاص طور پر حضرت مسیح کے پیروکاروں میں نرم دلی اور ہمدردی کا جو وصف پایا جاتا ہے، اس کا قرآن مجید نے اچھے الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً سورۃ الحدید میں فرمایا کہ ”ہم نے مسیح کی پیروی کرنے والوں کے دلوں میں نرم دلی اور رحمت رکھ دی۔“ (آیت ۲۷)

سورہ آل عمران میں جہاں مالی خیانت کے معاملے میں بعض یہودیوں کے طرز عمل کو بے نقاب کیا گیا ہے، وہاں

ان میں سے دیانت دار لوگوں کا ذکر بھی ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ ''اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے پاس تم خزانے کا ایک ڈھیر بھی امانت رکھو تو وہ تمھیں پورا پورا واپس کر دیں گے۔'' (آیت ۷۵)

گذشتہ سطور میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق اور برتاؤ کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اہل کتاب کے ساتھ تعلقات قائم کرنے اور ان تک اسلام کا پیغام پہنچانے میں ان تعلیمات اور اصولوں کا پورا پورا لحاظ رکھیں اور اللہ، اللہ کے پیغمبروں، آسمانی صحائف اور یوم آخرت پر ایمان کو ایک قیمتی اور مشترک اساس تصور کرتے ہوئے معاشرتی سطح پر اہل کتاب کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا خصوصی برتاؤ کریں۔ خاص طور پر مسلم معاشروں میں اہل کتاب کی عبادت گاہوں اور ان کے مذہبی جذبات کے احترام کو یقینی بنائیں اور اختلافی امور پر بحث ومباحثہ کی نوبت آئے تو تہذیب وشائستگی اور حکمت وموعظہ حسنہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی غلطی کو ان پر واضح کرنے کی کوشش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ ہدایت پر قائم رکھے۔ آمین

شدت پسندی کا مقابلہ اور ریاستی ترجیحات

۶ ستمبر کی اخباری اطلاعات کے مطابق چیئر مین سینیٹ میاں رضا ربانی نے وائس چانسلر جامعہ کراچی کو ایک خط لکھا ہے جس میں یونیورسٹی طلبہ کا ریکارڈ انٹیلی جنس ایجنسیوں کو دینے اور طلبہ کو داخلے کے وقت مقامی پولیس اسٹیشن سے حاصل کردہ کیریکٹر سرٹیفکیٹ پیش کرنے کی تجویز پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس فیصلے سے طلبہ میں بے چینی اور خوف پھیلے گا۔ خط میں کہا گیا ہے کہ دونوں ادارے ریاست کے سخت ادارے ہیں اور ان اداروں سے طلبہ کے رابطے کے باعث طلبہ میں خوف اور بے چینی بڑھے گی۔ چیئر مین سینٹ نے تجویز کیا ہے کہ نوجوانوں میں انتہا پسندی اور تشدد کے مسائل حل کرنے کے لیے فوری اقدامات کیے جانے چاہئیں اور اس سلسلے میں طلبہ یونینز کی بحالی اور ادبی اور تعلیمی سرگرمیوں کے فروغ سے (انتہا پسندانہ رجحانات کے مقابلے میں) ایک مختلف موقف جنم لے گا۔

ہمارے نزدیک چیئر مین سینیٹ نے ایک اہم اور نازک معاملے میں بر وقت توجہ دلا کر اپنے منصب کے ساتھ وابستہ ذمہ داریوں کے احساس کا ثبوت دیا ہے اور اس حوالے سے ان کی جرات قابل داد ہے، تاہم یہ ایک جزوی اور وقتی مسئلہ نہیں، بلکہ بنیادی آئینی حقوق کا مسئلہ ہے۔ ملک پہلے ہی ''سیکیورٹی اسٹیٹ'' کے با اعزاز لقب سے ملقب اور گم شدہ افراد (missing persons) جیسے سنگین آئینی وانسانی مسئلے سے نبرد آزما ہے، اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے عنوان سے اس صورت حال کی سنگینی بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ اس ضمن میں وضع کی جانے والی پالیسیوں کو قومی فورمز پر ہر جگہ زیر بحث لائے جانے کی ضرورت ہے، اس سے پہلے کہ سیکیورٹی اداروں کا جبر اور خوف ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

آرا و افکار

ڈاکٹر محی الدین غازی

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر

مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں-۳۶

(۱۲۱) یستعتبون کا ترجمہ

قرآن مجید میں لفظ یستعتبون تین مقامات پر آیا ہے، اور ایک مقام پر یستعتبوا آیا ہے۔ مختلف ترجموں کو سامنے رکھنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ کرنے والوں کو اس سلسلے میں کسی ایک مفہوم پر اطمینان نہیں تھا، اس لیے ایک ہی مترجم کے یہاں ایک ہی لفظ کے مختلف مقامات پر مختلف ترجمے ملتے ہیں۔

عربی لغات دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ استعتب کے لفظ میں وسعت ہے۔ اس لفظ کا مطلب فیروزآبادی یوں بیان کرتے ہیں: استَعتَبَه: أعطاه العُتبى، كأَعتَبه، وطَلَبَ اليه العُتبى، ضِدٌّ. القاموس المحيط.

اس لفظ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کسی سے کسی کی ناراضگی دور کرنے کو کہا جائے، ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کوئی کسی سے راضی ہوجائے، اور ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کوئی کسی سے اس کی ناراضگی دور کرنے کا موقع مانگے۔

اس تیسرے مفہوم کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: وَلَا بَعدَ الموتِ مِن مُستَعتَبٍ؛ یعنی مرنے کے بعد ناراضگی دور کرنے کا موقع نہیں رہے گا۔ علامہ ابن منظور اس حدیث کی بہت مناسب تشریح کرتے ہیں: أي لَيسَ بَعدَ المَوتِ مِن استِرضاءٍ، لأَن الأَعمال بَطَلَت، وانقَضَت زَمانُها، وَمَا بَعدَ الموت دارُ جزاءٍ لَا دارُ عَمَلٍ. لسان العرب

جہاں لفظ کے مفہوم میں وسعت ہو وہاں موقع ومحل کے لحاظ سے مناسب مفہوم کی تعیین ضروری ہوتی ہے۔

تینوں آیتوں میں ’’لا یستعتبون‘‘ کا بعض لوگ ترجمہ کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ان سے توبہ واستغفار کا اور رب کو راضی کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ مفہوم قیامت کے حالات سے مطابقت نہیں رکھتا ہے، کسی عمل کا مطالبہ اس سے کیا جاتا ہے جو وہ عمل کر نہیں رہا ہو، مجرموں کا حال تو یہ ہوگا کہ قیامت برپا ہوتے ہی معافی مانگنے میں لگ جائیں گے، اور چلا چلا کر توبہ واستغفار کریں گے، ایسے لوگوں کے بارے میں یہ کہنا کہ ان سے توبہ واستغفار کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، مناسب حال معلوم نہیں ہوتا ہے۔

بعض لوگ ترجمہ کرتے ہیں کہ وہ منائے نہیں جائیں گے، یہ بھی مناسب حال ترجمہ نہیں ہے، کیونکہ وہاں سوال

مجرموں کو منائے جانے کا ہوگا ہی نہیں، سوال تو خود مجرموں کے سامنے ہوگا کہ وہ رب کو کیسے منائیں۔

بعض لوگ ترجمہ کرتے ہیں کہ ان کی معافی یا معذرت قبول نہیں کی جائے گی، اس مفہوم میں کمزوری یہ ہے کہ استعتب، عتبی سے نکلا ہے، جس کا مطلب محض معافی اور معذرت نہیں بلکہ منانا اور راضی کرنا ہے۔ اس میں پچھلی غلطیوں کی تلافی کرنا اور خوش کرنے والے عمل کرنا شامل ہے۔

قیامت کے دن اور عذاب کی حالت کو سامنے رکھیں تو مناسب حال مفہوم یہ سامنے آتا ہے کہ مجرمین بار بار درخواست کریں گے کہ انہیں ایک بار اللہ کی ناراضگی دور کرنے کا موقعہ دیا جائے، لیکن انہیں ایسا کوئی موقعہ نہیں دیا جائے گا۔

اس وضاحت کے بعد مندرجہ ذیل ترجمے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيداً ثُمَّ لاَ يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُواْ وَلاَ هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ۔ (النحل:84)

''اور (خیال کرو اس دن کا) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے، پھر جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا نہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے یہ فرمائش ہوگی کہ وہ خدا کو راضی کریں'' (امین احسن اصلاحی)

''(انہیں کچھ ہوش بھی ہے کہ اُس روز کیا بنے گی) جبکہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، پھر کافروں کو نہ حجتیں پیش کرنے کا موقع دیا جائیگا نہ ان سے توبہ واستغفار ہی کا مطالبہ کیا جائے گا'' (سید مودودی)

''''اور جس دن ہم ہر امت میں سے گواہ کھڑا کریں گے پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا'' (محمد جوناگڑھی)

''اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ اٹھا کر کھڑا کریں گے پھر کافروں کو اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی ان سے اللہ کو راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی'' (محمد حسین نجفی)

''اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت میں سے ایک گواہ پھر کافروں کو نہ اجازت ہو نہ وہ منائے جائیں'' (احمد رضا خان)

''اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے گواہ (یعنی پیغمبر) کھڑا کریں گے تو نہ تو کفار کو (بولنے کی) اجازت ملے گی اور نہ اُن کے عذر قبول کئے جائیں گے'' (فتح محمد جالندھری)

مولانا امانت اللہ اصلاحی متعلقہ حصے کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اور نہ انہیں ناراضگی دور کرنے کا موقعہ دیا جائے گا''۔

(۲) فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ۔ (الروم:57)

''پس اس دن ان لوگوں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہوگا اور نہ ان سے یہ چاہا جائے گا کہ وہ خدا کو راضی کریں'' (امین احسن اصلاحی)

''پس وہ دن ہوگا جس میں ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لیے کہا

جائے گا‘‘(سید مودودی)

’’تو اس دن ظالموں کو نفع نہ دے گی ان کی معذرت اور نہ ان سے کوئی راضی کرنا مانگے‘‘(احمد رضا خان)

’’پس اس دن ظالموں کو ان کا عذر بہانہ کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان سے توبہ اور عمل طلب کیا جائے گا‘‘(محمد جونا گڑھی)

’’سو اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہیں دے گی اور نہ ہی ان سے (توبہ کر کے) خدا کو راضی کرنے کیلئے کہا جائے گا‘‘(محمد حسین نجفی)

’’تو اس روز ظالم لوگوں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ اُن سے توبہ قبول کی جائے گی‘‘(فتح محمد جالندھری)

مولانا امانت اللہ اصلاحی متعلقہ حصے کا ترجمہ کرتے ہیں: ’’اور نہ انہیں ناراضگی دور کرنے کا موقعہ دیا جائے گا‘‘۔

(۳) ذَلِكُم بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُواً وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ۔(الجاثیۃ:35)

’’یہ تمہارا انجام اس لیے ہوا ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کا مذاق بنا لیا تھا اور تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا لہٰذا آج نہ یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے کہا جائے گا کہ معافی مانگ کر اپنے رب کو راضی کرو"(سید مودودی)

’’یہ اس لیے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کا ٹھٹھا (مذاق) بنایا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں فریب دیا تو آج نہ وہ آگ سے نکالے جائیں اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے‘‘(احمد رضا خان)

’’یہ اس لیے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، پس آج کے دن نہ تو یہ (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے عذر و معذرت قبول کیا جائے گا‘‘(محمد جونا گڑھی)

’’یہ اس لئے کہ تم نے خدا کی آیتوں کو مخول بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ سو آج یہ لوگ نہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی‘‘(فتح محمد جالندھری)

’’یہ اس وجہ سے کہ تم نے اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈالے رکھا۔ پس آج نہ تو وہ اس سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کو معذرت پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا‘‘(امین احسن اصلاحی)

’’یہ سب اس لئے ہے کہ تم نے آیات الٰہی کا مذاق بنایا تھا اور تمہیں زندگانی دنیا نے دھوکے میں رکھا تھا تو آج یہ لوگ عذاب سے باہر نہیں نکالے جائیں گے اور انہیں معافی مانگنے کا موقع بھی نہیں دیا جائے گا‘‘(جوادی)

’’یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑایا تھا اور دنیاوی زندگی نے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کیا۔ پس وہ آج نہ تو اس (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کو معذرت (خدا کو راضی) کرنے کا موقع دیا جائے گا‘‘(محمد حسین نجفی)

آخر الذکر تینوں ترجموں میں یہ مفہوم اختیار کیا گیا ہے کہ انہیں موقع نہیں جائے گا، جو درست ہے۔ البتہ معافی اور

معذرت کی بجائے راضی کرنے کا مفہوم زیادہ درست ہے۔

(٤) فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ۔ (فصلت:24)

''پس اگر وہ صبر کریں تو دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ معافی مانگیں گے تو ان کو معافی نہیں ملے گی'' (امین احسن اصلاحی)

''اب اگر یہ صبر کریں گے تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور اگر توبہ کریں گے تو ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی'' (جالندھری)

''اس حالت میں وہ صبر کریں (یا نہ کریں) آگ ہی ان کا ٹھکانا ہوگی، اور اگر رجوع کا موقع چاہیں گے تو کوئی موقع انہیں نہ دیا جائے گا'' (سید مودودی)

مذکورہ بالا ترجموں میں آخر الذکر ترجمہ زیادہ درست ہے۔ البتہ رجوع کے بجائے راضی کرنے کا مفہوم زیادہ مناسب ہے۔

(۱۲۲) قِطَعًا مِنَ اللَّيلِ مُظلِمًا کا ترجمہ

وَالَّذِينَ كَسَبُواْ السَّيِّئَاتِ جَزَاء سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُم مِّنَ اللّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعاً مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِماً أُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ (یونس:27)

مذکورہ بالا آیت میں قطعا من اللیل کے بعد مظلما آیا ہے، عام طور سے مظلماکو اللیل کا حال قرار دیا گیا ہے، اور اسی کے لحاظ سے ترجمہ بھی کیا گیا ہے، یعنی تاریک رات کے ٹکڑے۔ بعض لوگوں نے مظلما کو قطعا کی صفت قرار دیا ہے، اس دوسری توجیہ پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قطعا جمع ہے، اس کی صفت کو مذکر کی بجائے مونث یعنی مظلما کی بجائے مظلمۃ ہونا چاہئے تھا، اس اشکال کا جواب بھی دیا گیا ہے جو تکلف سے بھرپور ہے۔ اس دوسری توجیہ کے مطابق جملے کا مطلب ہوتا ہے رات کے تاریک ٹکڑے۔ لغت کے عام قاعدے کے مطابق پہلی توجیہ درست ہے۔ عام طور سے مترجمین نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے، البتہ صاحب تفہیم نے دوسرا ترجمہ کیا ہے۔

''اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں ان کی بُرائی جیسی ہے ویسا ہی وہ بدلہ پائیں گے، ذلّت ان پر مسلّط ہوگی، کوئی اللہ سے ان کو بچانے والا نہ ہوگا، ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں، وہ دوزخ کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے'' (سید مودودی)

جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی کہ مظلم (تاریک) کا لفظ رات کے سلسلے میں آیا ہے نہ کہ ٹکڑوں کے سلسلے میں، اس لئے رات کے سیاہ پردے درست ترجمہ نہیں ہے سیاہ رات کے ٹکڑے درست ترجمہ ہے۔

اسی سے ملتی جلتی ایک غلطی مذکورہ ذیل ترجمے میں بھی نظر آتی ہے:

''جیسے ڈھانک دیا ہے ان کے مونھ پر ایک اندھیرا ٹکڑا رات کا'' (شاہ عبدالقادر)

یہاں ترجمہ میں ٹکڑا واحد ہے، جب کہ آیت میں قطع جمع کا صیغہ ہے، احساس ہوتا ہے کہ شاہ عبدالقادر کو قرأت کے

سلسلے میں اشتباہ ہو گیا، اور انہوں نے غلطی سے دوسری قرأت کا ترجمہ یہاں کر دیا۔ اس امر کی مزید تفصیل یہ ہے کہ قطع میں اگر ط پر فتحہ (زبر) ہو تو جمع کے معنی میں ہوتا ہے، اور اگر ط پر سکون (جزم) ہو تو واحد کے معنی میں ہوتا ہے، آیت کی ایک قرأت سکون کی بھی ہے، اس کے لحاظ سے مظلما اس کی صفت بھی بن سکتا ہے، اور اس قرأت کے لحاظ سے شاہ عبدالقادر کا ترجمہ درست بھی ہو جائے گا، لیکن جو قرأت ہمارے اور خود ان کے سامنے رہی ہے، اس کے لحاظ سے یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔

كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعاً مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِماً کے بعض درست ترجمے بھی ملاحظہ ہوں:

''گویا کہ اڑھائے گئے ہیں مونھ ان کے ٹکڑے رات اندھیری کے'' (شاہ رفیع الدین)

''گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دئے گئے ہیں'' (اشرف علی تھانوی)

''گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیے ہیں''. (احمد رضا خان)

(۱۲۳) فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُم کا ترجمہ

عربی لغات کے مطابق زیّل کا مطلب ہوتا ہے ایک دوسرے سے الگ کرنا، اور ایک دوسرے سے جدا کرنا۔

اسی سے فعل لازم تزیّل ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہو جانا۔ قرآن مجید میں دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں، تزیّل کا مطلب سب لوگوں نے الگ ہونا کیا ہے، جیسا کہ مذکورہ ترجمہ سے ظاہر ہے:

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَؤُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَاباً أَلِيماً۔ (الفتح:25)

''اگر (مکہ میں) ایسے مومن مرد و عورت موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے، اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ نادانستگی میں تم انہیں پامال کر دو گے اور اس سے تم پر حرف آئے گا (تو جنگ نہ روکی جاتی روکی وہ اس لیے گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر لے وہ مومن الگ ہو گئے ہوتے تو (اہل مکہ میں سے) جو کافر تھے ان کو ہم ضرور سخت سزا دیتے'' (سید مودودی)

البتہ زیّل کے ترجمے میں صاحب تفہیم نے ایک الگ راہ نکالنے کی کوشش کی ہے، مذکورہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعاً ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُواْ مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ۔ (یونس:28)

''جس روز ہم ان سب کو ایک ساتھ (اپنی عدالت میں) اکٹھا کریں گے، پھر ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ہے کہیں گے کہ ٹھیر جاؤ تم بھی اور تمہارے بنائے ہوئے شریک بھی، پھر ہم ان کے درمیان سے اجنبیّت کا پردہ ہٹا دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے'' (سید مودودی)

صاحب تفہیم اپنے اس ترجمہ کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس کا مفہوم بعض مفسرین نے یہ لیا ہے کہ ہم ان کا باہمی ربط و تعلق توڑ دیں گے تاکہ کسی تعلق کی بنا پر وہ ایک دوسرے کا لحاظ نہ کریں، لیکن یہ معنی عربی محاورے کے مطابق نہیں ہیں۔

محاورہ عرب کی رو سے اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے درمیان تمیز پیدا کر دیں گے۔ یا ان کو ایک دوسرے سے ممیّز کر دیں گے، اس معنی کو ادا کرنے کے لئے ہم نے یہ طرز بیان اختیار کیا ہے کہ ''ان کے درمیان سے اجنبیت کا پردہ ہٹا دیں گے''۔ یعنی مشرکین اور ان کے معبود آمنے سامنے کھڑے ہوں گے اور دونوں گروہوں کی امتیازی حیثیت ایک دوسرے پر واضح ہوگی۔ (تفہیم القرآن)

عربی محاورے کے حوالے سے یہاں جو بات کہی گئی ہے وہ درست نہیں ہے، فزیلنا بینھم کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین اور ان کے معبود الگ الگ کر دئے جائیں گے، یہ تو ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوں، لیکن اجنبیت کا پردہ ہٹا دینا اس جملے کا مطلب نہیں ہے۔ یوں بھی شرک کرنے والوں کو تو پہلے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کن چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے، ان کے لئے ان کے معبود اجنبی تو ہوتے نہیں ہیں۔ صحیح ترجمہ وہی ہے جو عام مترجمین نے کیا ہے، اور جس پر دلیل سورہ فتح والی مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ بھی ہے۔ وہاں خود صاحب تفہیم نے الگ الگ ہو جانا ترجمہ کیا ہے۔

فزیلنا بینھم کے بعض دوسرے ترجمے یوں ہیں:

''پس قسم قسم کر دی ہم نے درمیان ان کے'' (شاہ رفیع الدین)

''پھر توڑ ادیں گے آپس میں ان کو'' (شاہ عبد القادر)

''تو ہم انہیں مسلمانوں سے جدا کر دیں گے'' (احمد رضا خان، آیت میں نہ مسلمانوں کا ذکر ہے، اور نہ تفسیر میں اس کا کوئی محل بنتا ہے)

''تو ہم ان میں تفرقہ ڈال دیں گے'' (فتح محمد جالندھری)

''پھر ہم ان (عابدین ومعبودین) کے آپس میں پھوٹ ڈالیں گے'' (اشرف علی تھانوی)

مولانا سمیع اللہ سعدی

دور جدید کا حدیثی ذخیرہ۔ایک تعارفی جائزہ [۴]

۲۔اردو تراجم، شروحات وتعلقات اور درسی افادات وتقریرات

برصغیر میں کتب حدیث پر ہونے والا کام زیادہ تر اردو تراجم وشروحات (عربی شروحات کا بیان پچھلی قسط میں ہو چکا ہے) اور درسی افادات وتقریرات پر مشتمل ہے، ان میں درسی افادات وتقریرات زیادہ تعداد میں ہیں، کیونکہ صحاح ستہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد اور مشکوۃ المصابیح مدارس دینیہ کے نصاب میں داخل ہیں، اس لئے ہونہار تلامذہ شیوخ الحدیث کی درسی تقاریر کو منضبط کرتے ہیں، اور اسے مرتب کر کے افادہ عام کی خاطر شائع کرتے ہیں۔

برصغیر میں کتب حدیث پر ہونے والے کاموں کا ایک جائزہ لیا جاتا ہے۔

ا۔اردو تراجم وشروحات

کتب حدیث کے تراجم میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ تراجم میں معروف علماء کے تراجم کا ذکر کیا گیا ہے جو اپنے اپنے حلقوں میں مستند مانے جاتے ہیں۔ حالیہ سالوں میں مختلف مکتبات نے کتب حدیث کے تراجم شائع کیے ہیں جو مختلف مترجمین (اکثر غیر معروف حضرات) نے کیے ہیں۔ اس مجموعے میں ان تازہ تراجم کی کثرت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا۔ ان تراجم کے لیے کراچی، لاہور، پشاور کے معروف مطابع اور ہندوستان کے ناشرین کی شائع کردہ فہرستیں ملاحظہ کی جائیں۔ نیز شروح میں ان کا ذکر کیا گیا ہے جو باقاعدہ تالیف کے قبیل سے ہیں، درسی افادات وتقریرات کا ذکر مستقل عنوان کے تحت آئے گا۔

ا۔کتب حدیث کے اردو تراجم کے سلسلے میں معروف اہل حدیث عالم مولانا وحید الزمان رحمہ اللہ کا نام سنہری حروف سے لکھنے کے لائق ہے، موصوف نے متعدد امہات حدیث کا ترجمہ کیا اور جگہ جگہ مفید حواشی بھی تحریر کیے۔ آپ کے تحریر کردہ تراجم یہ ہیں:

ا۔تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری

۲۔المعلم ترجمہ صحیح مسلم

۳۔جائزہ الشعوذی ترجمہ جامع ترمذی (اس کی تالیف میں ان کے بھائی بھی ساتھ شریک رہے)

۴۔روض الربی من ترجمہ المجتبی

۵۔الہدی المحمود ترجمہ سنن ابی داود

۶۔رفع العجاجہ عن ترجمہ سنن ابن ماجہ

۷۔کشف المغطاعن الموطا

۲۔اردو تراجم کے سلسلے میں دوسرا بڑا نام مولنا اشفاق الرحمان کاندھلوی اور ان کے صاحبزادگان کا ہے،اس خاندان نے درجہ ذیل کتب حدیث کے تراجم کیے ہیں:

۱۔ترجمہ جامع ترمذی،مولنا حامد الرحمٰن صدیقی

۲۔ترجمہ نسائی شریف،مولنا حبیب الرحمٰن صدیقی

۳۔ترجمہ ابن ماجہ،مولنا حبیب الرحمٰن صدیقی

۴۔ترجمہ صحیح مسلم،مولنا عابد الرحمٰن صدیقی

۳۔معروف بریلوی عالم مولنا عبدالحکیم شاہ جہاں پوری نے بھی تراجم حدیث کے سلسلے میں اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔آپ نے صحیح بخاری،سنن ابی داود،سنن ابن ماجہ اور مشکوۃ المصابیح کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔

۳۔شروحات حدیث کے سلسلے میں معروف بریلوی عالم مولانا غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ آپ نے مسلم شریف کی سات جلدوں میں ایک ضخیم شرح لکھی ہے جو اردو میں اب تک مسلم کی مفصل ترین شرح شمار ہوتی ہے۔اس کے علاوہ نعمۃ الباری فی شرح البخاری کے نام سے چودہ جلدوں میں بخاری شریف کی عمدہ شرح لکھی ہے۔

۴۔اردو شروحات میں میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد مولانا ابوالحسن سیالکوٹی کی فیض الباری ترجمہ وشرح صحیح بخاری ایک اہم شرح ہے۔یہ مفصل شرح دس ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

۵۔بخاری شریف کی اردو میں سب سے مفصل شرح لکھنے کا اعزاز شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کے افادات پر مبنی کشف الباری شرح صحیح بخاری کو حاصل ہے۔یہ شرح حضرت شیخ کے اجل تلامذہ کی تدوین وتالیف کا نتیجہ ہے اور بائیس ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۶۔اردو شروحات میں ایک اہم شرح شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد رشید نواب قطب الدین خان کی مشکوہ شریف پر لکھی ہوئی شرح ''مظاہر حق'' ہے،یہ عمدہ شرح پانچ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۷۔معروف اہل حدیث عالم مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے صحیح بخاری پر متنوع اعتراضات کے جواب میں متعدد کتب لکھیں۔ان کتب کا مجموعہ دفاع صحیح بخاری کے نام سے ایک ہزار صفحات کی ضخیم جلد میں شائع ہوا ہے۔ان میں بعض مقامات پر اگرچہ سلفی شدت موجود ہے،لیکن بخاری شریف کے دفاع میں فی الجملہ ایک اچھی اور قابل قدر کاوش ہے۔

کتب حدیث پر اردو تراجم وشروح کی ایک فہرست پیش خدمت ہے:

۱۔بخاری شریف کے اردو تراجم وشروحات:

۱۔نصرۃ الباری ترجمہ صحیح بخاری،، مولانا عبدالاول غزنوی

۲۔ترجمہ وشرح بخاری، مولانا محمد داود راز

۳۔مشارق الانوار شرح صحیحین وموطا، مولانا عبدالحق بہاولپوری (۱۴ مجلدات)

۴۔ترجمہ صحیح بخاری، مولانا عبدالتواب ملتانی

۵۔ترجمہ صحیح بخاری، مرزا حیرت دہلوی

۶۔ترجمہ وشرح بخاری، امیر علی لکھنوی

۷۔فضل الباری ترجمہ صحیح بخاری،، مولانا فضل حق دلاوری

۸۔منح الباری ترجمہ صحیح بخاری، محمد حسین بٹالوی

۹۔نزہۃ الباری ترجمہ صحیح بخاری، شریف الحق امجدی

۱۰۔نصرۃ الباری وشرح صحیح بخاری،، مولانا عبدالستار دہلوی

۱۱۔فیوض الباری ترجمہ وشرح صحیح بخاری،، مولانا سید محمود رضوی (۷ مجلدات)

۱۲۔تسہیل القاری شرح صحیح بخاری،، مولانا وحید الزمان

۱۳۔الاسوہ ترجمہ وشرح صحیح بخاری،، مولانا حنیف ندوی (نامکمل)

۱۴۔فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری، شمس الحق ڈیانوی

۱۵۔انعام المنعم الباری بشرح ثلاثیات البخاری، مولانا عبدالصبور ملتانی

۱۶۔شرح تراجم بخاری،، مولانا محمود حسن دیوبندی

۱۷۔انعام الباری فی شرح اشعار البخاری، مولانا عاشق الٰہی

۱۸۔نصر الباری شرح البخاری،، مولانا محمد عثمان غنی صاحب

۱۹۔تفہیم الباری ترجمہ صحیح بخاری،، مولانا ظہور الباری اعظمی

۲۰۔ترجمہ بخاری شریف مع حواشی، مولانا سبحان محمود و دیگر رفقاء، دارالاشاعت (اس ترجمہ پر مفید ومختصر حواشی استاد محترم مفتی محمد عبداللہ صاحب (استاد الحدیث جامعہ دارالقرآن فیصل آباد) نے تحریر کیے ہیں)

۲۱۔غنیۃ القاری ترجمہ ثلاثیات بخاری، مولانا صدیق حسن خان

۲۲۔تفہیم البخاری شرح بخاری، مولانا غلام رسول رضوی

۲۳۔منہاج البخاری، علامہ معراج الاسلام

۲۴۔الخیر الجاری شرح بخاری، مولانا صوفی سرور

۲۵۔بشیر القاری شرح صحیح بخاری، مولانا غلام جیلانی

۲۶۔توفیق الباری شرح صحیح بخاری، عبدالکبیر محسن (۱۲ جلدیں)

۲۷۔فتوحات جہانگیری شرح صحیح بخاری، علامہ محی الدین جہانگیر (۷جلدیں)

۲۸۔انعام الباری شرح بخاری، شیخ محمد امین چاٹگامی

۲۔صحیح مسلم کے اردو تراجم وشروحات:

۱۔ترجمہ وشرح صحیح مسلم، مولانا محمد داود راز (نامکمل)

۲۔ترجمہ صحیح مسلم، مولانا عبدالعزیز صمدانی (جلداول)

۳۔انعام المنعم بترجمہ صحیح مسلم، مولانا عبدالاول غزنوی

۴۔ترجمہ وتشریح صحیح مسلم، مولانا عبدالعزیز علوی

۵۔المعلم ترجمہ صحیح مسلم، مولانا وحیدالزمان

۶۔تجرید مسلم اردو ترجمہ مسلم، محمد مالک کاندھلوی، ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور (مجلدان)

۷۔ترجمہ صحیح مسلم، مولانا عابدالرحمان صدیقی، ادارہ اسلامیات، لاہور (اس ترجمہ پر مختصر ومفید حواشی استاد محترم مفتی محمد عبداللہ صاحب نے تحریر کیے ہیں)

۸۔تحفۃ المنعم ترجمہ وشرح صحیح مسلم، مولانا فضل محمد یوسف زئی، مکتبہ اویس القرنی، کراچی (۳مجلدات)

۹۔کشف الملہم ترجمہ وشرح مقدمہ صحیح مسلم، مولانا عبدالسلام بستوی

۱۰۔تفہیم المسلم ترجمہ وشرح صحیح مسلم، مولانا زکریا اقبال

۱۱۔شرح صحیح مسلم، مولانا عبدالقیوم حقانی (۵جلدیں، بقیہ زیر تکمیل)

۲۱۔انعامات المنعم لطالبات المسلم، مولانا محبوب احمد

مقدمہ مسلم کی شروح:

۱۔عمدۃ المفہم فی حل مقدمۃ مسلم، محمد طاہر رحیمی۔

۲۔فیض المنعم شرح مقدمۃ مسلم، شیخ سعید احمد پالن پوری

۳۔نعمۃ المنعم شرح مقدمۃ مسلم، شیخ نعمت اللہ اعظمی

۴۔ایضاح المسلم شرح مقدمۃ مسلم، شیخ محمد غانم دیوبندی

۵۔فیض الملہم شرح مقدمۃ مسلم، شیخ اسلام الحق کوپا گنجی۔

۶۔نصرۃ المنعم شرح مقدمۃ مسلم، شیخ عثمان غنی

۳۔سنن نسائی کے اردو تراجم وشروح:

۱۔روضۃ الربی من ترجمۃ المجتبی، ،مولانا وحیدالزمان

۲۔ترجمہ سنن نسائی، مولانا دوست محمد شاکر، حامد اینڈ کمپنی، لاہور (۳مجلدات)

۳۔ترجمہ سنن نسائی، ،مولانا خورشید حسن قاسمی استاد دارالعلوم دیوبند

۴۔ترجمہ سنن نسائی، مولانا خلیل الرحمان، زمزم پبلشرز

۵۔ترجمہ سنن نسائی، مولانا حبیب الرحمان صدیقی

۴۔جامع ترمذی کے اردو تراجم وشروحات:

۱۔جائزۃ الشعوذی ترجمہ جامع ترمذی، مولانا وحید الزمان

۲۔ترجمہ جامع ترمذی، مولانا فضل حق دلاوری

۳۔ترجمہ جامع ترمذی، مولانا بدیع الزمان حیدر آبادی

۴۔ترجمہ وتشریح جامع ترمذی، مولانا عبدالعزیز علوی

۵۔شرح جامع ترمذی، شیخ فضل احمد انصاری

۶۔شرح جامع ترمذی، شیخ وجیہ الزمان لکھنوی

۷۔ترجمہ جامع ترمذی، مولانا صدیق ہزاروی

۸۔ترجمہ جامع ترمذی، مولانا فضل احمد، دارالاشاعت

۹۔ترجمہ جامع ترمذی، مولانا حامد الرحمان صدیقی

۱۰۔الدرس الشذی شرح جامع ترمذی، مولانا صوفی سرور

۱۱۔روضۃ الاحوذی شرح ترمذی ثانی، محمد حسین صدیقی

۵۔سنن ابی داود کے اردو ترجم وشروحات:

۱۔الہدی المحمود ترجمہ سنن ابی داود، مولانا وحید الزمان

۲۔فلاح و بہبود ترجمہ سنن ابی داود، محمد حنیف گنگوہی

۳۔ترجمہ سنن ابی داود، مولانا عبدالحکیم شاہ جہاں پوری

۴۔ترجمہ سنن ابی داود، مولانا خورشید حسن قاسمی

۵۔فضل المعبود ترجمہ وشرح سنن ابی داود، مولانا منظور احمد صاحب

۶۔سنن ابن ماجہ کے اردو تراجم وشروح:

۱۔رفع العجاجہ عن سنن ابن ماجہ، مولانا وحید الزمان

۲۔رفع الحاجہ فی ترجمۃ سنن ابن ماجہ، مولانا عبدالسلام بستوی

۳۔ترجمہ سنن ابن ماجہ، مولانا بدیع الزمان حیدر آبادی

۴۔ترجمہ وحواشی سنن ابن ماجہ، مولانا یحیی گوندلوی

۵۔ترجمہ سنن ابن ماجہ، مولانا حبیب الرحمان صدیقی

۶۔ترجمہ سنن ابن ماجہ، مولانا عبدالحکیم شاہ جہاں پوری

۷۔ مشکوۃ المصابیح کے تراجم وشروح:

۱۔ ترجمہ مشکوٰۃ مع حواشی، مولانا عبدالاول غزنوی

۲۔ ترجمہ وشرح مشکوٰۃ، مولانا عبدالتواب ملتانی

۳۔ ترجمہ وحواشی،، مولانا اسماعیل سلفی

۴۔ انوار المصابیح ترجمہ وشرح مشکوٰۃ المصابیح، مولانا عبدالسلام بستوی

۵۔ سطعات التنقیح بترجمہ مع فوائد مشکوٰۃ المصابیح، مولانا محمد صادق خلیل

۶۔ مظہر النکات شرح مشکوۃ، محدث عبداللہ روپڑی

۷۔ ترجمہ مشکوۃ،، مولانا ابوالحسن سیالکوٹی

۸۔ مرآۃ المناجیح اردو ترجمہ وشرح مشکوۃ المصابیح، مفتی احمد یار خان نعیمی

۹۔ اردو ترجمہ وفوائد مشکوٰۃ المصابیح، مولانا شیخ الحدیث محمد رفیق الاثری

۱۰۔ اردو ترجمہ مشکوٰۃ، مولانا محمد یونس گوہر

۱۱۔ الملتقات علیٰ ترجمۃ المشکوٰۃ، شیخ محی الدین قصوری

۱۲۔ طریق النجاۃ ترجمۃ الصحاح من المشکوٰۃ، مولانا محمد ابراہیم آروی

دیگر کتب حدیث:

۱۔ ترجمہ مسند امام احمد بن حنبل، محمد بن عبداللہ ہزاروی

۲۔ ترجمہ وتوضیح مسند، عبدالستار حماد (زیر تکمیل)

۳۔ ترجمہ مسند دارمی، شیخ عبدالرشید حنیف

۴۔ فیض الستار فی ترجمہ کتاب الاثار، مولانا ابوالحسن سیالکوٹی

۵۔ المصطفی ترجمہ المنتقی لابن جارود، عبدالحمید اٹاوی

۶۔ الروض البسام ترجمہ بلوغ المرام، نواب صدیق حسن خان (بلوغ المرام پر اہل حدیث مکتب فکر کی طرف سے فارسی، عربی اور اردو تینوں زبانوں میں کافی کام ہو چکا ہے)

۷۔ ترجمہ نیل الاوطار، مولانا محمد داود رحمانی

۸۔ ترجمہ عمدالاحکام، مولانا حافظ محمد اسحاق

۹۔ ترجمہ صحیح ابن خزیمہ، حافظ محمد ادریس

۱۰۔ ترجمہ موطا امام مالک، حافظ زبیر علی زئی

۱۱۔ المختار اردو شرح کتاب الاثار، ڈاکٹر حبیب اللہ مختار

۲۔ درسی افادات وتقریرات

برصغیر پاک وہند میں متون حدیث پر ہونے والے کام کا ایک بڑا حصہ درسی افادات پر مشتمل ہے، معروف شیوخ الحدیث کی درسی تقاریر ان کے تلامذہ کی ترتیب وتدوین کے ساتھ چھپ چکی ہیں، ان درسی افادات میں بڑی عمدہ ابحاث ہوتی ہیں۔ ذیل میں اس سلسلے کی اہم کاوشوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

ا۔ صحیحین:

ا۔ صحیح بخاری کی عربی میں مرتب شدہ درسی تقاریر میں حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے دروس پر مشتمل فیض الباری اہم ترین شرح ہے، آپ کے شاگرد رشید مولانا بدر عالم میرٹھی نے اسے مرتب کیا، یہ شرح عرب وعجم میں معروف ہے۔ دوسری اہم تقریر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے درسی افادات کا مجموعہ لامع الدراری فی شرح البخاری ہے، یہ شرح مولانا یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ نے دوران درس لکھی ہے، جسے آپ کے باکمال صاحبزادے شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے اپنے قابل قدر حواشی کے ساتھ مرتب کر کے شائع کروایا۔ اس کا مقدمہ حدیثی مباحث کا عمدہ خزانہ ہے۔

۲۔ اردو میں صحیح بخاری کی درسی افادات پر مبنی شروح میں سے اہم شرح حضرت انور شاہ رحمہ اللہ کی درسی تقاریر پر مشتمل انوار الباری شرح صحیح بخاری (۱۹/اجزاء) ہے جو ان کے شاگرد احمد رضا بجنوری نے مرتب کی ہے، بے جا طوالت کے باوجود عمدہ مباحث پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے دروس کا مجموعہ فضل الباری، شیخ فخر الدین مرادآبادی کی ایضاح البخاری (دس جلدیں)، مولانا سعید احمد پالن پوری کی تحفۃ القاری (گیارہ جلدیں) اور شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی مدظلہ کی انعام الباری (۷ جلدیں) اہم شروح میں شمار ہوتی ہیں۔

۳۔ صحیح مسلم کی اہم درسی تقاریر میں مولانا رشید احمد گنگوہی کی تقریر ہے، جو مولانا یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ نے قلمبند کی ہے۔ یہ تقریر شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کے وقیع حواشی کے ساتھ الحل المفهم لصحيح مسلم کے نام سے دو جلدوں میں چھپی ہے۔

صحیحین کی اہم درسی تقاریر کی فہرست پیش خدمت ہے:

۱۔ الخیر الساری، مجموعہ افادات، مولانا صدیق احمد باندوی (۵ جلدیں)

۲۔ تقریر بخاری شریف، مجموعہ افادات، شیخ الحدیث، مولانا زکریا (۵ جلدیں)

۳۔ تشریحات بخاری، مجموعہ افادات حضرت گنگوہی وشیخ الحدیث (۷ جلدیں)

۴۔ دروس بخاری، مجموعہ افادات، مولانا حسین احمد مدنی

۵۔ فضل الباری فی فقہ البخاری، مجموعہ افادات مولانا انور شاہ کشمیری (عربی ۵ مجلدات)

۶۔ ارشاد القاری الی صحیح بخاری، مجموعہ افادات مفتی رشید احمد

۷۔ درس بخاری، مجموعہ افادات مفتی نظام الدین شامزئی

۸۔ نفع المسلم شرح صحیح مسلم، مجموعہ افادات، مولانا اکرام علی بھاگلپوری

۹۔درس مسلم، مجموعہ افادات مفتی محمد رفیع عثمانی

۲۔جامع ترمذی:

۱۔جامع ترمذی کی عربی میں مرتب شدہ درسی افادات میں سے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی درسی تقریر الکوکب الدری علی جامع الترمذی اور حضرت انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی درسی تقریر العرف الشذی شرح سنن ترمذی الترمذی اہم شروح میں شمار ہوتی ہیں۔

۲۔اردو میں جامع ترمذی کی متعدد درسی شروحات وتقاریر چھپی ہیں۔ان میں درسی حوالے سے شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی رحمہ اللہ کے افادات پر مشتمل ''درس ترمذی'' اور ''تقریر ترمذی'' زیادہ متداول اور مشہور ہے۔

جامع ترمذی کی اہم درسی تقاریر وشروح کی فہرست پیش خدمت ہے:

۱۔تقریر ترمذی، افادات: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی

۲۔الورد الشذی علی جامع ترمذی، افادات: شیخ الہند مولانا محمود الحسن

۳۔تشریحات ترمذی، مولانا کمال الدین المسترشد (۷جلدیں)

۴۔تقریر ترمذی، مجموعہ افادات، مولانا حسین احمد مدنی

۵۔الخیر الجاری شرح جامع ترمذی، افادات: شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمان مینوی

۶۔الورد الطری علی جامع الترمذی، افادات: مولانا یاسین صابر

۷۔دروس ترمذی، افادات: مولانا رئیس الدین شیخ الحدیث مظاہر العلوم

۸۔حقائق السنن شرح جامع السنن، افادات: مولانا عبد الحق اکوڑہ خٹک

۹۔انعامات رحمانی شرح ترمذی ثانی، مولانا محبوب احمد صاحب

۱۰۔مجمع البحرین فی جمع الافادات عن الاستاذین، افادات: مفتی نظام الدین شامزئی و مولانا زیب صاحب

۱۱۔معارف ترمذی، مفتی طارق مسعود

۱۲۔ریاض السنن، افادات: مولانا موسیٰ خان روحانی بازی

شمائل ترمذی کی شروح:

۱۔خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی، شیخ الحدیث مولانا زکریا

۲۔شرح شمائل ترمذی، مولانا عبد القیوم حقانی

۳۔زبدۃ الشمائل شرح شمائل، مولانا الیاس گھمن

۴۔شرح الوصائل فی شرح الشمائل، شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ

۵۔انوار غوثیہ شرح شمائل نبویہ، محمد امیر شاہ گیلانی

۶۔شرح شمائل ترمذی، مولانا صوفی عبد الحمید سواتی

۳۔ سنن ثلاثہ ابوداود، نسائی وابن ماجہ:

ا۔ سنن ابی داود کی درسی تقاریر میں شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کے شاگرد رشید اور مظاہر العلوم سہارنپور کے استاد الحدیث مولانا محمد عاقل صاحب کی الدر المنضود علی سنن ابی داود قابل ذکر ہے، یہ درسی شرح چھ ضخیم جلدوں میں چھپی ہے۔

۲۔ مولانا ریاست علی بجنوری کے افادات پر مشتمل شرح مصباح الزجاجہ شرح ابن ماجہ بھی اہم درسی شروح میں سے ہیں۔

۳۔ مولانا محبوب احمد صاحب کی انعام المعبود لطالبات سنن ابی داود اور مولانا صوفی سرور صاحب کی خیر المعبود بھی اہم درسی شروح شمار ہوتی ہیں۔

۴۔ مولانا اختر حسین بہاولپوری نے موطین، نسائی وابن ماجہ کی درسی شرح احسان الٰہی کے نام سے لکھی ہے، یہ ایک ضخیم جلد میں چھپی ہے جس میں مذکورہ چار کتب کے درسی مقامات کی توضیح وشرح کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ استاد محترم مولانا خلیل الرحمان صاحب (استاد جامعہ دار القرآن فیصل آباد) کی درسی تقریر خیر الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ بھی قابل ذکر ہے۔

۴۔ مشکوۃ المصابیح وطحاوی:

ا۔ بخاری وترمذی کے بعد مشکوۃ المصابیح پاک وہند کے مدرسین کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے، اس لئے مشکوۃ کی متعدد درسی شروحات وافادات منظر عام پر آئی ہیں، ان میں شیخ الحدیث، مولانا زکریا رحمہ اللہ کے افادات پر مبنی التقریر الرفیع (عربی) قابل ذکر ہے جو آپ کے شاگرد رشید مولانا شاہد سہارنپوری نے مرتب کی ہے۔

۲۔ مشکوۃ کی اردو تقاریر میں مولانا فضل احمد یوسف زئی کی تشریح وتوضیحات (۸ جلدیں) جو ان کے استاد مولانا فضل احمد سواتی صاحب کے درسی افادات پر مشتمل ہے) اور جامعہ خیر المدارس کے استاد الحدیث مولانا شبیر الحق کشمیری کے افادات پر مبنی خیر المفاتیح (۶ جلدیں) مفصل درسی شروح میں شمار ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ جامعہ امدادیہ کے بانی شیخ الحدیث، مولانا نذیر احمد صاحب کی درسی تقاریر پر مشتمل شرح اشرف التوضیح بھی مشکوۃ کی متداول شروح میں سے ہیں، اس کی پہلی دو جلدیں حضرت شیخ الحدیث صاحب اور آخری دو جلدیں آپ کے صاحبزادے مفتی محمد زاہد صاحب مدظلہم کے افادات پر مبنی ہے، موخر الذکر جلدوں میں جدید مسائل پر عمدہ ابحاث شامل ہیں۔

مشکوۃ وطحاوی کی اہم درسی تقاریر وشروح کی فہرست پیش خدمت ہے:

ا۔ اسعد المفاتیح، افادات: مولانا عبد الغنی جاجروی (۲ جلدیں)

۲۔ درس مشکوۃ، افادات: شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق (۳ جلدیں)

۳۔ ضیاء الصبیح، افادات: مولانا فضل احمد سواتی

۴۔ تہذیب الطحاوی، مولانا شمس الحق

۵۔ایضاح الطحاوی،مولانا شبیر الحق قاسمی

۶۔تلخیص الطحاوی،مولانا عبدالباسط چلاسی

چند ملاحظات

۱۔برصغیر میں متون حدیث پر ہونے والے کام کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا گیا۔اس خاکے سے بادی النظر میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ برصغیر کے تین بڑے مکاتب فکر اہلحدیث،مکتب دیوبند اور مکتب بریلی میں سے مکتب اہل حدیث میں متون حدیث کے تراجم کا رجحان زیادہ رہا ہے اور مکتب دیوبند میں درسی افادات وتقریرات مرتب کرنے کی شرح زیادہ رہی ہے، جبکہ مکتب بریلی دونوں حوالوں سے نسبتاً کم تصنیفات کی حامل ہے۔اس کے لیے علامہ عبدالحکیم شرف قادری کی ضخیم کتاب " تذکرہ اکابر اہل سنت " کا بالاستیعاب جائزہ لیا گیا جس میں مصنف نے مکتب بریلی کے تقریباً ایک سو اسی اکابرین کا مع ان کی تصانیف کے تذکرہ کیا ہے۔اس کے علاوہ بریلی مکتب فکر کی کتب پر مشتمل ڈائریکٹری مرآۃ التصانیف سے بھی مدد لی گئی۔تاہم مکتب بریلی میں متون حدیث پر قابل قدر کام کرنے کے حوالے سے علامہ غلام رسول سعیدی،مفتی احمد یار خان نعیمی،غلام رسول رضوی جیسے چند بڑے نام موجود ہیں۔

۲۔تینوں مکاتب فکر کے حوالے سے ایک یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ مکتب اہل حدیث نے اپنے اکابرین کی خدمات حدیث کو محفوظ کرنے کے حوالے سے خاصا کام کیا ہے، چنانچہ معروف مورخ مولانا اسحاق بھٹی کی دبستان حدیث،عبدالرشید عرقی کی برصغیر میں علم حدیث،مولانا ابو یحییٰ نوشہروی کی علمائے اہل حدیث کی علمی خدمات اور مولانا ارشاد الحق اثری کی پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث برصغیر میں مکتب اہل حدیث کی حدیثی خدمات پر مشتمل قابل ذکر کتب ہیں۔جبکہ مکتب دیوبند اور مکتب بریلی میں اس حوالے سے منظم کام نہیں ہوا ہے۔مکتب دیوبند میں حدیث کے حوالے سے چند بڑے نام جیسے حضرت گنگوہی،حضرت شیخ الہند،حضرت انور شاہ کشمیری،حضرت حسین احمد مدنی،مولانا شبیر احمد عثمانی،مولانا ظفر احمد عثمانی اور کچھ دیگر حضرات کی خدمات حدیث پر مواد موجود ہے اور مکتب بریلی میں زیادہ تر مواد اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی خدمات حدیث پر مشتمل ہے۔دونوں مکاتب میں بحیثیت مکتب خدمات حدیث کو بیان کرنے پر کوئی مفصل کتاب (میری معلومات کی حد تک) موجود نہیں ہے۔اس لئے ان دونوں مکاتب کو صرف اپنے چند اکابرین پر توجہ دینے کی بجائے اپنے اپنے مکاتب میں حدیث پر ہونے مکمل کام کی مفصل دستاویز تیار کرنی چاہیے۔

۳۔اس سلسلے کی پچھلی اقساط میں کتب کے بیان کرنے کے ساتھ ناشر کے ذکر کرنے کی کوشش کی گئی تھی، جبکہ اس قسط میں صرف کتب اور ان کے مصنفین کے ناموں پر اکتفا کیا گیا،جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہاں ناشر کی بجائے مصنف کے نام سے کتاب کی شہرت زیادہ ہوتی ہے اور کتاب کو طلب کرنے کے لئے بھی مصنف کا نام عمومی طور پر کافی ہوتا ہے، نیز ایک کتاب کو متعدد ناشرین نے چھاپا ہوتا ہے،جس کی وجہ سے کسی ایک ناشر کو ترجیح دینے کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آئی ،شاید یہی وجہ ہے کہ علمائے برصغیر کی خدمات حدیث پر جتنا مواد ہے،اس میں بھی ناشر کو بیان

کرنے کا خاص اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔

۴۔عالم عرب میں علم حدیث پر ہونے والے کام پر مفصل معاجم تیار ہوئی ہیں، جب کہ برصغیر کے حدیثی ذخیرے پر چند مختصر کتب ومضامین کے علاوہ کوئی تفصیلی کام نہیں ہوا ہے،اس لئے تحقیق کرنے والے اداروں سے درخواست ہے کہ بلا امتیاز مسلک ومشرب بحیثیت مجموعی برصغیر میں علم حدیث کے ذخیرے کے تعارف پر توجہ دیں اور مفصل معاجم و فہارس تیار کریں ،تا کہ اگلی نسلیں اسلاف کے قابل قدر ذخیرے سے واقف رہیں۔ڈاکٹر سعد صدیقی صاحب کی کتاب ''علم حدیث اور پاکستان میں اس کی اشاعت'' ایک اچھی کاوش ہے،اسی طرز پر مفصل معاجم تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

۵۔ برصغیر میں متون حدیث پر ہونے والے کام کے بیان میں مسلک ومشرب سے قطع نظر کوشش کی گئی ہے کہ امہات حدیث کے اردو تراجم وشروح کا ذکر ہوجائے اور حتی الامکان کوشش رہی کہ تینوں مکاتب میں ہونے والے قابل ذکر کام کا تذکرہ ہوجائے ،لیکن اس کا دعویٰ نہیں کہ سارے اہم کام اس سلسلے میں ذکر ہوئے ہیں،اس لئے کوئی اہم کام رہ گیا ہوتو قارئین سے درخواست ہے کہ مقالہ نگار کو مطلع فرمائیں تا کہ اس سلسلے پر نظر ثانی کے وقت وہ اضافہ جات شامل ہوسکیں۔

٦۔ عالم عرب میں متون حدیث پر متنوع قسم کی تحقیقات ودراسات ہوئی ہیں (جن کا ذکر اس سلسلے کی پچھلی دو اقساط میں ہوا ہے) جبکہ برصغیر میں تراجم وشروح سے سلسلہ آگے نہیں بڑھا،اس لئے یہاں کے علمی حلقوں کو کتب حدیث پر تحقیقات ودراسات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے جن میں متون حدیث کی محققانہ اشاعت ،سابقہ طبعات میں اغلاط واخطاء کی نشاندہی ،حدیث پر جدید فکری نظاموں کے پیدا کردہ متنوع اشکالات واعتراضات کے جوابات ،کتب حدیث کے مناہج ،حدیث کی کمپیوٹرائزیشن ،حدیث کے فقہی مطالعے کے ساتھ سماجی ،معاشی ،تربیتی ، ادبی پہلو سے مطالعہ اور اردو میں علم حدیث کی مفصل تاریخ وتعارف جیسے مباحث پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

آرا و افکار

مولانا عبید اختر رحمانی*

فقاہت راوی کی شرط اور احناف کا موقف [۲]

فقہ راوی کی شرط کی بنیاد کیا ہے؟

رہ گئی یہ بات کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو قلیل الفقہ کیوں کہا گیا ہے۔ اوران کی روایت کیوں مطلقاً قابل قبول نہیں ہے تو اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام سرخسی کہتے ہیں۔

مع هذا قد اشتهر من الصحابة رضی الله عنهم ومن بعدهم معارضة بعض روایاته بالقیاس، هذا ابن عباس رضی الله عنهما لما سمعه یروی ''توضؤوا مما مسته النار'' قال: ارایت لو توضات بماء سخن اکنت تتوضا منه؟ ارایت لو ادهن اهلك بهن فادهنت به شاربك اکنت تتوضا منه؟ فقد رد خبره بالقیاس حتی روی ان ابا هریرة قال له: یا ابن اخی، اذا اتاك الحدیث فلا تضرب له الامثال، ولا یقال انما رده باعتبار نص آخر عنده، وهو ما روی ان النبی علیه السلام اتی بکتف مؤربة فاکلها وصلی ولم یتوضا لانه لو کان عنده نص لما تکلم بالقیاس ولا اعرض عن اقوی الحجتین او کان سبیله ان یطلب التاریخ بینهما لیعرف الناسخ من المنسوخ، او ان یخصص اللحم من ذلك الخبر بهذا الحدیث، فحیث اشتغل بالقیاس وهو معروف بالفقه والرای من بین الصحابة علی وجه لا یبلغ درجة ابی هریرة فی الفقه درجته عرفنا انه استخار التامل فی روایته اذا کان مخالفا للقیاس، ولما سمعه یروی ''من حمل الجنازة فلیتوضا'' قال: ایلزمنا الوضوء فی حمل عیدان یابسة؟ ولما سمعت عائشة رضی الله عنها ان ابا هریرة یروی ان ولد الزنا شر الثلاثة قالت: کیف یصح هذا وقد قال الله تعالیٰ ''ولا تزر وازرة وزر اخری'' (المصدر السابق)

''باوجوداس کے کہ حضرت ابوہریرہ شرف صحابیت میں مشہور ہیں حضور پاک کے ساتھ سفر وحضر میں طویل وقت گزارا ہے، صحابہ کرام اور بعد کے لوگوں نے ان کی روایتوں کا قیاس کے ساتھ معارضہ کیا ہے۔ یہ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ جب انہوں نے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جس چیز کو آگ نے چھولیا ہے اس کو استعمال کرنے کے بعد وضو کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر میں گرم پانی سے وضو کروں تو کیا میں پھر سے وضو کروں؟ اس کے علاوہ دیکھئے اگر آپ کی بیوی کو کوئی تیل ہدیہ کرے اور وہ یہ تیل آپ کی مونچھوں کو لگا دیں تو کیا آپ اس سے وضو کریں گے؟ خلاصہ کلام کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی روایت کو قیاس سے رد کر دیا۔ اس پر ان سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ نہ نے کہا: اے بھتیجے، جب تم سے کوئی حدیث بیان کی جائے تو اس کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔ اس مثال پر کوئی یہ نہ کہے کہ حضرت ابن عباس نے اس کو دوسری حدیث سے رد کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ حضور پاک کے ساتھ دستی کا گوشت لایا گیا تو اس کو کھایا اور وضو نہیں کیا، کیونکہ اگر ان کے پاس نص ہوتا تو وہ قیاس سے کام نہ لیتے اور دو حجتوں میں سے زیادہ مضبوط حجت سے اعراض نہ کرتے یا پھر وہ یہ کرتے کہ دو حدیثوں کی تاریخ معلوم کرتے تا کہ ناسخ اور منسوخ کو جان سکیں یا اس حدیث سے گوشت کو خاص قرار دیں، لیکن یہ سب نہ کر کے جب انہوں نے قیاس سے کام لیا۔ اور حضرات صحابہ کے درمیان حضرت ابن عباس فقہ وافتاء میں جتنے مشہور تھے، اس مقام تک حضرت ابو ہریرہ نہیں پہنچتے ہیں۔ تو اس سے ہم نے یہ بات جان لیا کہ انہوں نے روایت سننے کے بعد جب کہ وہ قیاس کے خلاف تھا، غور و فکر سے کام لیا۔ اسی طرح حضرت ابن عباس نے جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے سنا کہ جو کوئی جنازہ کو کاندھا دے تو وہ وضو کرے، اس پر انہوں نے کہا کہ کیا خشک لکڑیوں کو ڈھونے سے بھی ہم پر وضو لازم ہوگا؟ اسی طرح جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زنا سے پیدا ہونے والا بچہ تینوں میں سب سے برا ہے تو انہوں نے کہا: یہ کیسے درست ہو سکتا ہے، جب کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“

اس کے علاوہ امام سرخسی اس کو بھی ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کثرت حدیث سے سختی سے منع کیا تھا اور تنبیہ کی تھی بلکہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی اعتراف ملتا ہے کہ اگر اس دور میں ہم نے حدیث کثرت سے بیان کی ہوتی تو ہم کو عمر کے درے کا خوف تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر کثرت سے حدیث بیان کرنے پر انکار کیا ہے۔ علاوہ ازیں خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا اعتراف تھا کہ ان کی جانب سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے احادیث بیان کرنے پر لوگ متعجب ہیں۔ اس پر انہوں نے وضاحت بیان کی کہ میں چونکہ کسی اور مشغلہ میں الجھا ہوا نہیں تھا جب کہ مہاجرین کو تجارت اور انصار کو کھیتی باڑی کا مشغلہ رہتا تھا اور میں ہر وقت حضور پاک کے ساتھ چمٹا رہتا تھا۔ اسی بنا پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں مجھ کو زیادہ یاد ہیں۔ (المصدر السابق)

حضرت ابو ہریرہ پر حضرت عائشہ کے استدراکات:

واضح رہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس کے علاوہ بھی استدراکات ہیں

جس میں انہوں نے ان پر اعتراض کیا ہے اور جواب میں کوئی حدیث نہیں بیان کی ہے بلکہ کبھی تو قیاس سے کام لیا ہے اور کبھی عمومات قرآن سے کام لیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدراکات کا دائرہ صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک نہیں بلکہ اس کے علاوہ دیگر صحابہ کرام پر بھی ہوا ہے جس کو زرکشی نے ''الاجابة لایراد ما استدرکته عائشة علی الصحابة'' میں جمع کر دیا ہے۔ اس سے بھی فی الجملہ امام سرخسی اور امام عیسیٰ بن ابان کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

فقہ راوی کے ساتھ دیگر شرائط:

یہ سب بیان کرنے کے بعد امام سرخسی کہتے ہیں:

فلمکان مَا اشتهر من السّلف فی هذا البَاب قلنَا: مَا وَافق القیاس من روَایته فهو معمول به، وما خالف القیاس فان تلقته الامة بالقبول فهو معمول به، والا فالقیاس الصحیح شرعا مقدم علی روایته فی ما ینسد باب الرای فیه (اصول السرخسی 1/341)

''اسی وجہ سے جو ہم نے ماقبل میں بیان کی ہے کہ سلف نے حضرت ابو ہریرہ کی بعض روایات پر انکار کیا ہے۔ ہم نے کہا کہ ان کی جو روایتیں قیاس کے موافق ہوں گی اس پر عمل کیا جائے گا اور جو روایتیں خلاف قیاس ہوں گی تو اگر خلاف قیاس روایت ایسی ہے جس کو امت نے قبول کر لیا ہے تو اس پر عمل کیا جائے، ورنہ قیاس صحیح جو شریعت کے موافق ہو، ان کی ایسی روایت پر مقدم کیا جائے جو بالکلیہ قیاس اور رائے کے خلاف ہو اور اس میں قیاس اور رائے کی کوئی بھی گنجائش نہ رہ گئی ہو۔''

امام سرخسی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ کسی بات کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں، ایک چیز ایک لحاظ سے خلاف قیاس ہوتی ہے اور دوسرے لحاظ سے موافق قیاس، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کوئی ایسی روایت جس پر امت نے عمل نہ کیا، صرف ایک پہلو سے نہیں بلکہ ہر پہلو سے خلاف قیاس ہو تو اس وقت قیاس کو ان کی حدیث پر مقدم کیا جائے گا۔

امام سرخسی نے غیر فقیہ صحابی کی روایت کو خلاف قیاس ہونے کی صورت میں رد کرنے کیلئے چار شرطیں بیان کی ہیں:

- اولاً: وہ روایت صرف اسی ایک غیر فقیہ صحابی کے واسطے سے مروی ہو،
- ثانیاً: امت نے اس پر عمل نہ کیا ہو
- ثالثاً: ہر لحاظ سے خلاف قیاس ہو، قیاس اور رائے کی اس میں کوئی گنجائش نہ ہو۔
- خلاف قیاس ہونا بالبداہت ثابت ہو جائے۔

اگر یہ تمام شرطیں پائی جائیں تب اس وقت قیاس کو مقدم کیا جائے گا۔ (ہم آگے چل کر اس پر بھی بات کریں گے کہ قیاس سے کون سا قیاس مراد ہے)۔

عدل وضبط کے بعد فقہ کی شرط کیوں؟

ایک سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ عادل ہیں اور جو سنتے ہیں وہ یاد رکھتے ہیں تو پھر آپ ان کی روایت کو مطلقاً قبول کیوں نہیں کرتے۔ خلاف قیاس اور موافق قیاس کے پھیر میں کیوں پڑتے ہیں؟ کیوں اس کے لئے کچھ الگ شرائط اور ضوابط بناتے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے امام سرخسی علیہ الرحمہ کہتے ہیں:

> ولكن نقل الخبر بالمعنى كان مستفيضا فيهم، والوقوف على كل معنى اراده رسول الله صلى الله عليه وسلم بكلامه امر عظيم، فقد اوتى جوامع الكلم على ما قال: اوتيت جوامع الكلم واختصر لى اختصارا، ومعلوم ان الناقل بالمعنى لا ينقل الا بقدر ما فهمه من العبارة، وعند قصور فهم السامع ربما يذهب عليه بعض المراد، وهذا القصور لا يشكل عند المقابلة بما هو فقه (لفظ) رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلتوهم هذا القصور قلنا: اذا انسد باب الراى فى ما روى وتحققت الضرورة بكونه مخالفا للقياس الصحيح فلا بد من تركه، لان كون القياس الصحيح حجة ثابت بالكتاب والسنة والاجماع، فما خالف القياس الصحيح من كل وجه فهو فى المعنى مخالف للكتاب والسنة المشهورة والاجماع (اصول السرخسی 1/341)

''بات یہ ہے کہ حدیث کو لفظ کے بجائے معنی کے ساتھ روایت کرنا حضرات صحابہ کرام میں جاری وساری تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں کیا کیا مراد لیا ہے اس کا احاطہ کرنا مشکل اور بڑا کام ہے کیونکہ ان کو جوامع الکلم (بات مختصر لیکن مختصر بات میں معنی کی ایک دنیا فروزاں ہو) دیا گیا تھا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جب بات کو معنی کے ساتھ نقل کیا جائے تو آدمی اپنے عقل اور فہم کے اعتبار سے ہی نقل کرتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سننے والے کو سمجھنے میں غلطی ہوتی اور مطلب کا بعض پہلو اس سے اوجھل ہوتا ہے۔ اور یہ بات تب ظاہر ہوتی ہے جب روایات کا مقابلہ کیا جائے اس کی روایت سے جس نے اس کو بہتر طور پر سمجھا ہے۔ اسی بنا پر کہ بعض دفعہ مطلب اور مراد کے کچھ پہلو وہم کی بنیاد پر یا کسی اور وجہ سے چھوٹ جاتے ہیں، جب کوئی ایسی روایت سامنے آئے جس سے قیاس ورائے کا ہر پہلو ختم ہو جائے اور یہ بات بالبداہت ثابت ہو جائے کہ مذکورہ روایت خلاف قیاس ہے تو ایسی صورت میں روایت کو ترک کر دیا جائے گا، کیونکہ قیاس صحیح کا حجت اور دلیل ہونا کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اور اجماع سے ثابت ہے۔ تو جب کوئی روایت ہر پہلو سے خلاف قیاس ہو تو گویا وہ کتاب اللہ، سنت مشہور اور جماع کے خلاف ہے۔''

امام سرخسی نے جو بات کہی ہے، وہ امام عیسیٰ بن ابان سے ہی مستفاد ہے۔ عیسیٰ بن ابان علیہ الرحمہ نے اپنی بات تفصیل سے کہی ہے اور اپنی رائے کو دلائل سے بیان کیا ہے اس کے علاوہ انہوں نے راوی کی عدم فقاہت کے سبب

قیاس کیخلاف اس کی روایت کورد کرنے میں مزید شرائط بیان کیے ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ امام عیسیٰ بن ابان کی کوئی کتاب ہم تک نہیں پہنچ سکی یا تاحال نہیں پہنچی ہے، بہرحال اس مسئلہ پر ان کے خیالات کا بڑا حصہ امام جصاص رازی نے اپنی تالیف الفصول فی الاصول میں نقل کردیا ہے،لہٰذا اس بارے میں امام عیسیٰ بن ابان کی رائے ہم ان کے الفاظ میں اوران کے عہد سے بہت قریب امام جصاص رازی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

عیسیٰ بن ابان کا موقف:

امام عیسیٰ بن ابانؒ خلاف قیاس ہونے کی صورت میں راوی کے فقیہ ہونے کے قائل ہیں اور غیرفقیہ کی مثال میں انہوں نے حضرت ابوہریرہ کا نام پیش کیا ہے۔حضرت ابوہریرہ کا نام اس لئے پیش کیا ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ متعدد صحابہ کرام نے ان کی روایت غوروفکر کے بعد لی ہیں یاان پر قیاس کے ذریعہ اعتراض کیا ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے دیکھا کہ ان پرامام ابراہیم نخعی نے بھی اعتراض کیا ہے۔امام نخعی کہتے ہیں کہ لوگ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض حدیث پر عمل کرتے اور بعض پر نہ کرتے۔ایک دوسرے موقع سے امام ابراہیم نخعی زیادہ صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ لوگ یعنی تابعین کرام ان کی وہ روایتیں جو جنت وجہنم کے تعلق سے ہوتیں اس کو تو لیتے اور جو اس کے علاوہ ہوتیں اس کو نہ لیتے۔(الفصول فی الاصول3/127)

ابراہیم نخعی کا قول:

امام نخعی کا یہ قول ثابت شدہ ہے، اس کو مشہور محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں (67/3600) بھی ذکر کیا ہے اور حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں بھی ذکر کیا ہے۔ابن عساکر نے اس مفہوم کی متعدد روایتیں ذکر کی ہیں۔ امام اعمش سے مروی ہے:

وكان ابو صالح يحدثنا عن ابى هريرة قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم)، فكنت آتى ابراهيم فاحدثه بها، فلما اكثرت عليه قال لى ما كانوا ياخذون بكل حديث ابى هريرة

''ابوصالح ہم سے حضرت ابوہریرہ کے واسطے سے حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول پاک نے فرمایا،رسول پاک نے فرمایا، میں ابراہیم کے پاس آتا اوران سے وہ حدیث بیان کرتا (امام اعمش کا ہی قول ہے کہ ابراہیم حدیث کے پرکھنے والے تھے الفاظ ہیں (كان ابراهيم صيرفيا فى الحديث)جب میں ایسا زیادہ کرنے لگا یعنی حضرت ابوہریرہ کی احادیث ان کو زیادہ سنانے لگا تو انہوں نے مجھ سے کہا، ماقبل کے لوگ یعنی حضرات صحابہ وتابعین عظام حضرت ابوہریرہ کی تمام احادیث پر عمل نہیں کرتے تھے۔''

سفيان عن منصور عن ابراهيم قال: ما كانوا ياخذون من حديث ابى هريرة الا ما كان من حديث جنة او نار

''ابراہیم نخعی کہتے ہیں حضرات صحابہ وتابعین عظام حضرت ابو ہریرہ کی وہی احادیث قبول کرتے تھے جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہوتا (حلال وحرام کے متعلق ان کی احادیث قبول نہ کرتے۔)''

عن الاعمش قال: کان ابراهيم صيرفيا في الحديث، فكنت اذا سمعت من احد من اصحابه اتيته به فاعرضه عليه، فحدثته ذات يوم بحديث من حديث ابي صالح عن ابي هريرة فقال ابراهيم: كانوا يتركون شيئا من قوله

اس کا مفاد بھی وہی ہے ماقبل میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ بس اتنا اضافہ ہے کہ ماقبل کے لوگ ان کے اقوال میں سے کچھ چھوڑ بھی دیا کرتے تھے۔

حافظ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں نقل کرتے ہیں:

شريك عن مغيرة عن ابراهيم قال: كان اصحابنا يدعون من حديث ابي هريرة (608/2)

''ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب یعنی فقہائے کوفہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کو یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں سے کچھ کو چھوڑ دیتے تھے۔''

من حديث ابي هريرة میں دو بات ہو سکتی ہے۔ یا تو من کو تبعیضیہ مانا جائے یعنی یہ بعض افراد کو بتانے کے لیے ہے یا پھر من کو زائد مانا جائے۔ اگر من کو زائد مانا جائے تو ترجمہ ہوگا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کو مطلقاً رد کر دیا کرتے تھے۔ اور اگر تبعیض کے معنی میں لایا جائے تو معنی ہوگا کہ بعض احادیث کو رد کرتے تھے۔ میری رائے میں من یہاں حدیث کے بعض جزء پر دلالت کرنے کے لیے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کتاب العلل میں امام احمد بن حنبل کے واسطہ سے یہ روایت مذکور ہے جس میں واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں پر من تبعیض کے لیے ہے، زائد نہیں ہے:

حدثنا ابو اسامة عن الاعمش قال: كان ابراهيم صيرفيا في الحديث اجيئه بالحديث، قال: فكتب مما اخذته عن ابي صالح عن ابي هريرة، قال: كانوا يتركون اشياء من احاديث ابي هريرة (كتاب العلل لاحمد، ص 140)

ان اقوال کو حافظ ذہبی نے بھی سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے اور پھر رد کیا ہے۔ حافظ ذہبی یہ قول اور دوسرے اقوال امام ابراہیم نخعی سے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

قلت: هذا لا شيء، بل احتج المسلمون قديما وحديثا بحديثه لحفظه وجلالته واتقانه وفقهه، وناهيك ان مثل ابن عباس يتادب معه ويقول: افت يا ابا هريرة (سير اعلام النبلاء 1/41)

''میں کہتا ہوں، یہ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ مسلمان ہمیشہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادث سیا ستدلال کرتے چلے آئے ہیں اور ان کے حفظ، جلالت قدر، پختگی اور فقہ کے قائل رہے ہیں۔ ان کی فقاہت کے لیے اتنا کافی ہے کہ حضرت ابن عباس جیسا فقیہ ان کے ساتھ ادب کا معاملہ کرتا تھا اور کہتا تھا اے ابو ہریرہ

فتویٰ دیجئے۔"

عیسیٰ بن ابان کے دلائل:

بہرحال اس وقت ہمارا موضوع حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کی فقاہت نہیں بلکہ امام عیسی بن ابان ہے۔لہٰذا پھر سے اصل بحث کی جانب رخ کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کو فقہ وفتویٰ میں غیر معروف کہنے کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت خلاف قیاس ہونے کی صورت میں مطلقاً رد کردی جائے گی بلکہ اس کے لیے کچھ شرائط ہیں، کچھ ضوابط ہیں۔

امام عیسیٰ بن ابان کہتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدالت اور حفظ وضبط میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن یہ بات ہے کہ ان کا فقہی مقام ومرتبہ وہ نہیں تھا جو دیگر فقہ واجتہاد میں معروف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔علاوہ ازیں بعض صحابہ کرام نے ان کی روایت کو قیاس کے ذریعہ رد کیا ہے، جیسے حضرت عباس سے جب یہ بات کہی گئی کہ آگ کو مس کی ہوئی چیز استعمال کرنے سے وضو کرو تو اس کا رد انہوں نے قیاس کے ذریعہ کیا۔ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ زنا سے پیدا ہونے والا بچہ تینوں میں سے برا ہے (ماں باپ کے بعد) تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر بات ایسی ہی ہے تو پھر بدکاری کے الزام میں قابل حد حاملہ عورت کو بچہ جننے کی مہلت کیوں دی جاتی ہے؟ اس موقع سے حضرت عائشہ نے کوئی دوسری روایت نہ پیش کرکے قرآن کی آیت لاتزر وازرة وزر اخری کے عموم سے استدلال کیا۔اسی طرح روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نیا یک پاؤں میں موزہ پہن کر چلنے سے ممانعت کی روایت کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔

اس کے علاوہ عیسیٰ بن ابان دوسرے نظائر پیش کرتے ہیں جہاں صحابہ کرام نے ان کی کثرت روایت پر انکار کیا اور تعجب کیا اور حضرت عائشہ نے ٹوکا بھی کہ رسول پاک تمہاری طرح جلدی جلدی بات نہیں کرتے تھے، وہ تو اتنے ٹھہر کر بیان کرتے تھے کہ کوئی ان کی باتوں کو شمار کرنا چاہے تو شمار کرلے۔(الفصول فی الاصول 3/128)

یہ سب مثالیں عیسیٰ بن ابان سے نقل کرنے کے بعد امام بصاص رازی عیسی بن ابان رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> قال ابوبكر رحمه الله: جعل عيسى رحمه الله ما ظهر من مقابلة السلف لحديث ابى هريرة بقياس الاصول وتثبيتهم فيه علة لجواز مقابلة رواياته بالقياس، فما وافق القياس منها قبله وما خالفه لم يقبله، الا ان يكون خبرا قبله الصحابة فيتبعون فيه (الفصول في الاصول3/129)

"امام بصاص رازی کہتے ہیں سلف سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا قیاس کے اصول سے معارضہ کرنے اور اس میں مزید غور وفکر نے اس پر آمادہ کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا قیاس

سے مقابلہ کیا جائے تو ان کی جو روایت قیاس کے موافق ہوئی، اسے انہوں نے قبول کرلیا اور جو روایت قیاس کے خلاف ہوئی، اسے قبول نہیں کیا۔ ہاں، اگر ان کی کسی خلاف قیاس خبر کو صحابہ وتابعین نے قبول کیا ہے تو اس کو قبول کیا جائے گا۔"

غیر فقیہ راوی کی روایت کو رد کرنے کے لیے مزید شرائط:

عیسیٰ بن ابان کے نزدیک کسی روایت کے خلاف قیاس ہونے کی صورت میں رد کے لیے حسب ذیل شرائط وضوابط ہیں:

يقبل من حديث ابی هريرة ما لم يرده القياس ولم يخالف نظائره من السنة المعروفة الا ان يكون شيء من ذلك قبله الصحابة والتابعون ولم يردوه (الفصول فی الاصول 127/3)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سے وہ حدیث قبول کی جائے گی جو قیاس کے خلاف نہ ہو اور اس حدیث کے خلاف اس کی نظیر دوسری مشہور احادیث نہ ہوں۔ ہاں اگر ان سب کے باوجود ایسی روایت کو صحابہ اور تابعین نے قبول کیا ہوگا تو خلاف قیاس ہونے کے باوجود اس روایت کو قبول کیا جائے۔"

ایک دوسرے مقام پر عیسیٰ بن ابان کہتے ہیں:

ويقبل من حديث ابی هريرة ما لم يتم وهمه فيه لانه كان عدلا (المصدرالسابق)

"اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث قبول کی جائے گی جس کے بارے میں مکمل طور پر پتہ چلے کہ ان کو وہم لاحق نہیں ہوا ہے، کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ عادل تھے۔"

اگر یہ تمام شرائط پائی جائیں گی، تب جا کر ایسی روایت خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے رد کر دی جائے گی:

- راوی فقہ اور اجتہاد میں معروف نہ ہو۔
- اس مفہوم کی تائید کرنے والی دیگر روایات نہ ہو، یعنی دوسرے کسی صحابی سے وہی روایت یا اسی مفہوم کی روایت مروی نہ ہو۔
- صحابہ اور تابعین نے مذکورہ راوی کی دیگر روایات پر انکار کیا ہو یا پھر زیر بحث خبر پر اعتراض کیا ہو۔
- دیگر مجتہدین صحابہ کرام اور تابعین نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔

ان چار شرائط کے اجتماع کے بعد ہی کسی روایت کو محض اس لئے رد کر دیا جائے گا کہ وہ خلاف قیاس ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسیٰ بن ابان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فقہ میں غیر معروف یا غیر فقیہ مانتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے شرف صحابیت کا پورا خیال رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کے عدل اور حفظ وضبط میں کوئی شبہ نہیں ہے اور فقاہت کے ہونے نہ ہونے سے کسی کے عدل وحفظ میں کوئی کمی نہیں آتی۔

بل الذی ذکر عیسی فی کتاب المشهور هو ما قدمنا ذکره، مع تقدیمه القول فی مواضع من کتبه بانه عدل مقبول القول والروایة، غیر متهم بالتقول علی رسول الله صلی الله علیه وسلم الا ان الوهم والغلط لکل بنی آدم منه نصیب، فمن اظهر من السلف تثبتا فی روایة تثبتنا فیها واعتبرناها بما وصفنا (الفصول فی الاصول 130/3)

''بلکہ عیسیٰ بن ابان نے اپنی مشہور کتاب (کتاب الحجج) میں جو کچھ کہا ہے وہ وہی ہے جو ہم نے ماقبل میں ذکر کیا ہے (کہ حضرت ابوہریرہ عادل اور حفظ وضبط میں ممتاز ہیں) یہ بات انہوں نے اپنی مختلف کتابوں میں متعدد مقام پر کہی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ عادل ہیں، قول اور روایت میں مقبول ہیں۔ رسول پاک پر جھوٹی بات گڑھنے والے نہیں ہیں۔ ہاں یہ ہے کہ وہم اور غلطی بنی آدم کا خاصہ ہے تو ان کی جن روایتوں پر سلف نے انکار کیا ہے اور تثبت سے کام لیا ہے، ہم بھی انہی اسلاف کے نقش قدم پر چلیں گے۔''

ایک اعتراض کا جواب:

اب یہاں پر ایک اعتراض ہوسکتا ہے۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رسول اللہ سے بہت زیادہ احادیث بیان کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ میں مسکین آدمی تھا، ہمیشہ رسول پاک سے چمٹا رہتا تھا۔ انصار کو اپنے مشاغل تھے اور مہاجرین کو بازاروں کی مشغولیت رہتی تھی۔ اور میں ایک مرتبہ رسول پاک کی مجلس میں حاضر تھا اور وہ فرمارہے تھے کہ کون اپنی چادر پھیلائے گا تاکہ میں اپنی بات پوری کرلوں، پھر وہ اس کو لے لے تو وہ کوئی ایسی بات نہ بھولے جو مجھ سے سنا ہو۔ تو میں نے اپنے اوپر پڑی چادر کو بچھایا، یہاں تک کہ نبی پاک نے اپنی بات پوری کرلی، پھر میں نے چادر کو لیا تو اس کے بعد میں کچھ بھی نہیں بھولا۔ حضرت ابوہریرہ نے حضور پاک کی باتوں کو یاد رکھا تھا اور اس کی گواہی نبی پاک نے بھی دی ہے، اسی لئے ان کی روایتیں دوسروں سے زیادہ ہیں تو اس کو ان پر وجہ طعن اور وہم کی بنیاد نہیں بنانا چاہئے۔ (الفصول فی الاصول 3/ 130)

اس کا جواب دیتے ہوئے امام جصاص رازی کہتے ہیں کہ اگر ایسی ہی بات ہوتی کہ حضرت ابوہریرہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی کوئی بات نہ بھولنے والے ہوتے تو ان کی روایت کو تمام صحابہ کرام کی روایت پر مطلقاً ترجیح دی جاتی، کیونکہ تمام صحابہ کرام پر بہرحال بھول چوک اور وہم ونسیاں کا خطرہ برقرار تھا سوائے حضرت ابوہریرہ کے؛ لیکن ہم صحابہ کرام اور تابعین عظام کے حالات کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ بات یہ نہیں تھی۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایتوں کو اکابر صحابہ پر کبھی ترجیح نہیں دی؛ بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ان کی روایتوں کا معارضہ کیا گیا ہے، خود ان پر رد کیا گیا ہے۔ حضرت عباس نے رد کیا، حضرت عائشہ نے رد کیا، ابراہیم نخعی نے رد کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ بات وہ نہیں ہے جو معترض سمجھا ہے، بلکہ یہ ہے کہ نہ بھولنے کی بات صرف اور صرف اس ایک مجلس کی تھی جس میں یہ واقعہ پیش آیا، نہ کہ پوری زندگی پر محیط اور کسی بھی بات کے نہ بھولنے کی ضمانت۔

امام جصاص رازی لکھتے ہیں:

اما قوله : انهم يزعمون ان ابا هريرة يكثر الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فانه يدل على انهم قد كانوا انكروا كثرة روايته، واما حفظه لما كان سمعه حتى لا ينسى منه شيئا فانه لو كان كذلك لكانت هذه فضيلة له قد اختص بها وفاز بحظها من سائر الصحابة، ولو كانت هذه لعرفوا ذلك منه واشتهر عندهم امره حتى كان لا يخفى على احد منهم منزلته، ولرجعت الصحابة اليه فى روايته، ولقدموها على روايات غيره لامتناع جواز النسيان عليه وجوازه على غيره، ولكان هذا التشريف والتفضيل الذى اختص به متوارثا فى اعقابه كما خص جعفر بان له جناحين فى الجنة وخص حنظلة بان الملائكة غسلته (الفصول فى الاصول 131/3)

''بہر حال حضرت ابوہریرہ کا یہ قول کہ "لوگ یہ گمان کرتے ہیں" یہ خود بتا رہا ہے کہ ان کے ہم عصروں نے ان کی کثرت روایت کو عجیب بات سمجھا ہے۔ یہ کہنا کہ ان کا حافظہ ایسا ہو گیا ہے کہ پھر وہ کچھ نہیں بھولتے تھے تو اگر ایسا ہی ہوتا تو یہ ان کی خاص فضیلت ہوتی جس میں وہ دیگر تمام صحابہ کرام سے ممتاز ہوتے اور اس کی شہرت ہوتی یہاں تک کہ سبھی اس کو جان لیتے اور صحابہ کرام کے درمیان جب کوئی اختلاف ہوتا تو وہ حضرت ابوہریرہ کی جانب رجوع کرتے اور ان کی روایات کو دیگر تمام کی روایات پر ترجیح دیتے کیونکہ وہ نسیان اور بھول چوک سے بری ہو گئے تھے۔ اور ان کی یہ فضیلت خاص کا ذکر ہر دور میں جاری رہتا اور لوگوں میں شہرہ ہوتا جیسا کہ حضرت جعفر ذوالجناحین کے لقب سے مشہور ہیں اور حضرت حنظلہ کو غسیل الملائکہ کہا جاتا ہے۔''

فلما وجدنا امره عند الصحابة بضد ذلك لانهم انكروا كثرة روايته علمنا ان ما روى فى انه لا ينسى شيئا سمعه غلط، وكيف يكون كذلك وقد روى عنه حديث رواه عن النبى عليه السلام وهو قوله فى ما اخبر: ''لا عدوى ولا طيرة''، ثم روى: ''لا يوردن ممرض على مصح''، فقيل له: قد رويت لنا عن النبى عليه السلام قبل ذلك لا عدى ولا طيرة فقال: ما رويته (المصدر السابق)

''لیکن جائزہ کے بعد معاملہ برعکس ملتا ہے کیونکہ متعدد صحابہ کرام نے ان کی کثرت روایت پر انکار کیا ہے۔ اس سے ہم نے جان لیا کہ یہ بات کہ وہ کچھ نہیں بھولیں گے غلط ہے اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان سے ہی منقول ہے کہ انہوں نے لا عدوی ولا طیرۃ کی حدیث نقل کی، پھر یہ حدیث نقل کی: لا یوردن ممرض۔ پھر جب لوگوں نے کہا کہ آپ نے تو پہلے ایسی حدیث بیان کی تھی تو کہا کہ نہیں، میں نے ایسی کوئی حدیث بیان نہیں کی۔''

اس کے بعد امام جصاص رازی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے

لیے نہ بھولنے کی دعا صرف ایک مجلس سے متعلق تھی۔(الفصول فی الاصول 3/131)

امام جصاص رازی کی یہ تاویل کوئی بے جا اور دور از کار تاویل نہیں ہے کیونکہ اسی حدیث کے متعدد دیگر طرق میں اس کا ذکر موجود ہے کہ بات صرف اسی ایک مجلس کی تھی۔ہم بحث کو زیادہ نہ پھیلاتے ہوئے صرف بخاری اور نسائی کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں تصریح ہے کہ اس ایک خاص مجلس کی بات نہ بھولنے کے بارے میں حضور پاک نے فرمایا تھا:

> وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حديث يحدثه انه لن يبسط احد ثوبه حتى اقضى مقالتى هذه ثم يجمع اليه ثوبه الا وعى ما اقول، فبسطت نمرة على حتى اذا قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم مقالته جمعتها الى صدرى، فما نسيت من مقالة رسول الله صلى الله عليه وسلم تلك من شىء (صحيح البخارى، الناشر: دار طوق النجاة3/52،رقم الحديث:2047)
>
> ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،میری بات مکمل ہونے تک جو کوئی اپنے کپڑے کو پھیلائے رکھے اور بات ختم ہونے پر اسے سمیٹ لے تو جو کچھ میں نے کہا ہے اسے یاد رہے گا۔یہ سن کر میں نے اپنی چادر بچھائی،جب رسول پاک نے اپنی بات مکمل فرمائی تو میں نے اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا،اس کے بعد رسول پاک کی وہ بات میں کبھی نہیں بھولا''

یہی روایت نسائی 5/372،رقم الحدیث:5835،ابن حنبل فی مسندہ ج2/ص240 حدیث رقم:7274 اور حلیۃ الاولیاء 1/381 وغیرہ میں بھی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن حضرات نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ غیر فقیہ صحابہ کرام کی روایت خلاف قیاس ہونے کی صورت میں رد کر دی جائے گی۔انہوں نے اسے مطلقاً قابل رد نہیں کہا ہے بلکہ اس کے لیے کچھ دیگر شرائط اور ضوابط کا بھی لحاظ رکھا ہے۔امام عیسیٰ بن ابان اور امام سرخسی سے مستفاد اصولوں کو ہم ترتیب وار پیش کرتے ہیں اور سبھی کی مختصر تشریح بھی کر دیتے ہیں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو:

1: وہ روایت صرف اسی ایک غیر فقیہ راوی کے واسطے سے منقول ہو۔

مثلاً ایک روایت صرف حضرت ابوہریرہ ہی سے مروی ہے۔وہ حضرات جن کے نزدیک فقاہت راوی بھی ایک شرط ہے۔اگر غیر فقیہ راوی کی روایت کے ساتھ دوسرے صحابی کی روایت مل جائے تو اس وقت یہ روایت خبر واحد نہ رہ کر مشہور ہو جائے گی اور ایسی روایت کو قیاس پر مطلقاً مقدم کر دیا جائے گا

2: ثانیاً امت نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔اگر فقہاء اور مجتہدین نے اس سے استدلال کیا ہے اور اس روایت پر عمل کیا ہے تو بھی روایت قیاس پر مقدم ہو گی۔

3: صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اس پر نکیر کیا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جن احادیث پر حضرت صحابہ کرام نے اعتراض کیا ہے، اس کی وجہ سے وہ حدیث اب اس لائق ہوگئی ہے کہ ایک مجتہد اس مین غور وفکر کرے اور غور وفکر کے بعد اس کو قبول کرنے اور قبول نہ کرنے کا فیصلہ کرے۔

4:اس مفہوم کی دوسری روایات اس کی تائید نہ کرتی ہوں۔

اس میں اور شرط نمبر 1 میں باریک سا فرق ہے کہ اگر کسی دوسری روایت کے عموم سے یا مفہوم سے بھی غیر فقیہ راوی کی روایت کی تائید ہوتی تو اس روایت کو قیاس پر مقدم کر دیا جائے گا۔

5: کتاب وسنت کے دوسرے نظائر اس مروی حدیث کے خلاف ہوں۔

مثلاً حدیث مصراۃ کو ہی لیتے ہیں۔ اب دوسری مشہور اور مقبول احادیث کا جو مفہوم اور عموم ہے، وہ اس حدیث کے خلاف ہے۔ مثلاً الخراج بالضمان یا پھر اس مفہوم کی احادیث کہ سامان اور قیمت میں توازن ہونا چاہئے۔

6: ہر پہلو سے خلاف قیاس ہو، قیاس اور رائے کی اس میں کوئی گنجائش نہ ہو۔

فقہ میں قیاس کی دو بنیادی قسمیں ہیں: قیاس جلی اور قیاس خفی۔ اس کے علاوہ ایک مسئلہ صرف ایک پہلو ہی اپنے اندر نہیں رکھتا بلکہ متعدد پہلو اپنے اندر رکھتا ہے، خلاف قیاس ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ قیاس ہر پہلو سے خلاف قیاس ہو۔ کسی بھی پہلو سے اس حدیث کا موافق قیاس ہونا ثابت نہ ہو۔

7: قیاس عقلی نہیں بلکہ قیاس شرعی کے خلاف ہو۔

قیاس کی دو قسمیں ہیں: قیاس عقلی اور قیاس شرعی۔ قیاس عقلی تو عقل سے اندازہ لگانا ہے یہ دنیاوی چیزوں کے بارے میں ہوتا ہے۔ فلاں چیز ایسی ہے اور وہی خصوصیات فلاں چیز میں ہے تو وہ بھی ایسی ہی ہوگی یا ہونی چاہئے، جبکہ قیاس شرعی کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک مسئلہ ایک مجتہد کے سامنے آتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ آیا یہ حکم کتاب اللہ میں ہے۔ اگر ہے تو ٹھیک نہیں ہے تو سنت رسول میں دیکھتا ہے۔ اگر وہاں بھی نہیں ہے تو حضرات صحابہ کرام اور ماقبل کے مجتہدین کا متفقہ قول تلاش کرتا ہے۔ اگر نہیں ملتا تو وہ دیکھتا ہے کہ اس مسئلہ کی بنیادی علت کیا ہے۔ پھر اس علت کو دیکھنا شروع کرتا ہے کہ قرآن کریم کی آیتوں، فرامین رسول پاک اور اجماع صحابہ وتابعین میں سے کسی میں یہ علت پائی جا رہی ہے یا نہیں۔ اگر پائی جا رہی ہے تو وہ اس علت کو اس مسئلہ کی بنیاد بنا کر وہی حکم اس مسئلہ میں بھی جاری کرتا ہے۔ اس کو قیاس شرعی کہتے ہیں کیونکہ یہ صرف کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع پر ہی ہوتا ہے۔

خبر پر قیاس کے مقدم کرنے کے لیے کیسا قیاس معتبر ہے؟

قیاس شرعی میں بھی کچھ اقسام ہیں اور یہ اقسام علت کے اعتبار سے ہیں کہ قیاس کے لیے جس علت کو بنیاد بنایا گیا ہے، اس علت کی خود پوزیشن کیا ہے۔ کبھی علت منصوص ہوتی اور دلیل پر قطعی ہوتی ہے۔ کبھی علت منصوص ہوتی ہے اور دلالت پر ظنی ہوتی ہے، لیکن یہ علت جو منصوص اور ظنی ہے، یہ اس خبر پر جس کے خلاف ہے، راجح ہوتی ہے۔ کبھی منصوص علت ظنی ہوتی ہے اور خبر کے مقابلے میں مرجوح ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دلیل کی قوت کے لحاظ سے منصوص علت اور خبر دونوں ہی برابر ہوتے ہیں، ان حالات میں کہ اگر قیاس کی علت منصوص ہو اور دلالت پر قطعی ہو تو پھر وہ خبر واحد پر

مقدم ہوگی۔ اگر قیاس کی علت منصوص ہو اور ظنی ہو، لیکن دوسری وجوہات سے وہ خبر واحد پر رجحان رکھتی ہو تو اس وقت بھی وہ خبر واحد پر مقدم ہوگی۔ اگر قیاس کی علت منصوص اور ظنی ہے اور خبر واحد بھی ظنی ہے اور دلیل کی قوت کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں تو ایسے وقت میں مجتہد اس میں اجتہاد کرے گا اور اس کا جس جانب رجحان ہو، اس کو مقدم کرے گا۔ اگر قیاس کی علت منصوص ہونے کے باوجود خبر واحد کے مقابلے میں مرجوح ہے تو خبر واحد کو مقدم کیا جائے گا۔

علامہ ابن ہمام تحریر میں اور ان کے شارح لکھتے ہیں:

(ان کان) ثبوت العلة (بقاطع) لان النص علی العلة کالنص علی حکمها فحینئذ القیاس قطعی والخبر ظنی والقطعی مقدم قطعا، (فان لم یقطع) بشیء (سوی الاصل) ای بحکمه (وجب الاجتهاد فی الترجیح) فیقدم ما یرجح اذ فیه تعارض ظنین: النص الدال علی العلة وخبر الواحد، ویدخل فی هذا ما اذا کانت العلة منصوصا علیها بظنی، وما اذا کانت مستنبطة (والا) ان انتفی کلا هذین (فالخبر) مقدم علی القیاس لاستوائهما فی الظن، وترجح الخبر علی النص الدال علی العلة بانه یدل علی الحکم بدون واسطة، بخلاف النص الدال علی العلة فانه انما یدل علی الحکم بواسطة العلة (التقریر والتحبیر علی تحریر الکمال ابن الهمام 2/299)

’’اگر علت کا ثبوت قطعی ہو کیونکہ علت کی نص ویسی ہی ہوتی ہے جیسے نص کسی حکم پر ہوتی ہے تو ایسی حالت میں علت کے قطعی ہونے کی صورت میں قیاس قطعی ہوگا اور خبر ظنی ہوگی تو قیاس کو خبر پر مقدم کیا جائے گا۔ اور اگر قطعی نہ ہو اور اصل کے اعتبار سے دونوں برابر ہوں تو اس وقت ترجیح کے لیے اجتہاد کیا جائے گا۔ اور اس کو مقدم کیا جائے گا جو راجح ہو کیونکہ یہاں پر دو ظن میں تعارض ہے۔ ایک خبر واحد اور ایک قیاس کی منصوص علت۔ علت کے منصوص ہونے میں شامل ہے کہ وہ براہ راست نص سے ثابت ہو یا نص سے مستنبط کیا گیا ہو۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں یعنی نہ علت قطعی ہو اور نہ منصوص اور ظنی ہو تو خبر واحد کو مقدم کیا جائے گا۔‘‘

علامہ ابن ہمام ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ خبر واحد کو آپ ظنی مانتے ہیں اور قیاس بھی ظنی ہے تو پھر آپ قیاس اور خبر واحد کے تعارض کی صورت مین مذکورہ دو بالا شرط کیوں لگا رہے ہیں کہ ایسا ایسا ہوگا تو قیاس مقدم ہوگا اور ایسا نہیں ہوگا تو خبر مقدم ہوگی۔ اصول کا تقاضا تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ جب دونوں ظنی ہیں تو چاہے قیاس کی علت منصوص ہو یا نہ ہو قطعی ہو یا نہ ہو، ہر حال میں وجہ ترجیح دیکھی جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ قیاس میں کسی حکم کا اثبات علت کے واسطے سے ہوتا ہے اور خبر واحد میں اسی حکم کا اثبات بغیر علت کے اور براہ راست ہوتا ہے، لہٰذا جب ایک جانب صرف قیاس اور دوسری جانب خبر واحد ہو تو خبر واحد کو مقدم کیا جائے گا۔

8: خبر سے حلال وحرام کی بات کا اثبات ہو رہا ہے۔ اگر صرف استحباب، سنت یا افضل وغیر افضل کی بات ہو تو بھی قیاس پر خبر واحد کو مقدم کیا جائے گا خواہ راوی فقیہ ہو یا غیر فقیہ، چنانچہ امام جصاص رازی لکھتے ہیں:

انما قصد عیسی رحمه الله فی ما ذکره الی بیان حکم الاخبار الواردة فی الحظر

او الایجاب او فی الاباحة ما قد ثبت حظره بالاصول التی ذکرها او حظر ما ثبت اباحته مما کان هذا وصفه، فحکمه جار علی المنهاج الذی ذکرنا فی القبول او الرد۔ واما الاخبار الواردة فی تبقیة الشیء علی اباحة الاصل او نفی حکم لم یکن واجبا فی الاصل او فی استحباب فعل او تفضیل بعض القرب علی بعض، فان هذا عندنا خارج عن الاعتبار الذی قدمنا، وذلک لانه لیس علی النبی علیه السلام بیان کل شیء مباح ولا توقیف الناس علیه بنص یذکره، بل جائز له ترک الناس فیه علی ما کان علیه حال الشیء من الاباحة قبل ورود الشرع، وکذلک لیس علیه تبیین منازل القرب ومراتبها بعد اقامة الدلالة لنا علی کونها قربا، کما انه لیس علیه ان یبین لنا مقادیر ثواب الاعمال (الفصول فی الاصول 3/122)

''عیسیٰ بن ابان علیہ الرحمہ نے احادیث کے قبول وعدم قبول کا ماقبل میں جو معیار بتایا ہے، وہ ان احادیث کے لیے ہے جو کسی چیز کو حرام کرتی یا حلال کرتی ہیں یا کسی چیز کو فرض وواجب کرتی ہیں۔ جو احادیث ایسی ہوں گی تو اس کو اسی معیار پر پرکھا جائے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ باقی رہ گئی وہ حدیثیں جو کسی چیز کو اصل پر باقی رکھتی ہیں یعنی وہ پہلے بھی حلال تھی اور حدیث میں بھی اس کی حلت کا ذکر ہے یا کسی چیز سے منع کیا گیا ہے جو پہلے بھی واجب نہیں تھی یا کسی فعل کے استحباب کے بارے میں یا بعض اعمال کو بعض پر فضیلت دینے کے بارے میں تو وہ ہماری بحث سے خارج ہے یعنی ایسی احادیث پر ان شرائط کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ تمام مباحات کو بتائیں اور نہ یہ کہ تمام لوگوں کو اس کے بارے میں نص کے ذریعہ باخبر کرائیں، بلکہ ان کے لیے جائز ہے کہ لوگوں کو اس حال پر چھوڑ دیں جس پر وہ شریعت کے نزول سے پہلے تھے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بھی ضروری نہیں کہ بعض اعمال کے درجات اور مراتب کے بارے میں بتائیں جب کہ آپ نے اس کے عبادت ہونے کو بیان کر دیا ہو جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعمال کے ثواب کے درجات کا بتانا ضروری نہیں ہے۔''

خلاصہ کلام:

فقاہت راوی کی شرط اور قیاس کے خبر واحد پر مقدم ہونے کا نظریہ ائمہ احناف سے منقول نہیں، یہ عیسیٰ بن ابان کا تخریج کردہ نظریہ ہے اور بعد کے بعض فقہاء نے اس معاملے میں ان کی پیروی کی ہے، عیسیٰ بن ابان کا یہ نظریہ بھی مطلقاً نہیں ہے، بلکہ وہ راوی کے فقیہ نہ ہونے کی صورت میں خبر واحد پر قیاس کو مقدم کرنے کے لیے چند شرائط وضوابط کا لحاظ کرتے ہیں اور ان شرائط وضوابط کے لحاظ اور خیال کے بعد فقاہت راوی کی شرط کے ماننے والے اور نہ ماننے والے عملی طور سے ایک ہی صف میں ہو جاتے ہیں۔

حالات وواقعات

ڈاکٹر ابراہیم موسیٰ

دینی مدارس، دہشت گردی اور عالمی پالیسی ساز طاقتیں

[مصنف کی کتاب What is a Madarasa? کی ایک فصل]

اکثر پالیسی ساز افراد اور ادارے جو فیصلے کرتے ہیں وہ یا تو ذرائع ابلاغ کی رپورٹوں پر مبنی ہوتے ہیں یا پھر انٹیلی جنس کی گمراہ کن رپورٹوں پر۔ مسلمانوں کی مذہبی زندگی میں مدارس کا کردار کیا ہے، اگر مجھے اس کی تشریح و وضاحت کا موقع دیا جائے اور مجھے صدر امریکہ، امریکی کانگریس کے ارکان اور دنیا کی کسی بھی حکومت کو مدارس کے تعلق سے مشورہ دینا ہو تو میں اپنی کتاب ''دینی مدارس: عصری معنویت اور جدید تقاضے'' کا ایک نسخہ اس مکتوب کے ساتھ انھیں ارسال کرنا چاہوں گا:

محترم صدر امریکہ اور امریکی کانگریس کے معزز ارکان!

تصور کیجیے کہ جنوبی ایشیا میں تعینات امریکی فوج پر یا خدانخواستہ امریکہ کے مرکزی مقام پر ایک ایسا دہشت گردانہ حملہ، جس کی منصوبہ بندی پاکستان میں کی گئی ہو، کامیاب ہو جائے، تو کیا امریکہ اس کے ردِ عمل میں آ کر افغانستان اور پاکستان (افغان-پاک سرحدی علاقے) میں قائم مدارس کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا؟ یا مدارس کی عمارتوں پر ڈرون حملے کرے گا؟ یہ منظر نامہ یقینی طور پر امکان کے دائرے میں ہے۔ ماضی کے مشاہدات گواہ ہیں کہ امریکہ کو جب کبھی شکست کا زخم لگا تو اس کے اندمال کے لیے امریکی سیاسی قیادت نے کسی نہ کسی کو قربانی کا بکرا بنانے کو آسان اور ضروری سمجھا۔ چناں چہ Bay of Pigs کی مہم کی ناکامی کے بعد ویتنام کو اور گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد عراق پر حملے کے ذریعہ امریکہ نے اپنی جھینپ مٹانے کی کوشش کی۔ بنابریں افغان پاک سرحدی علاقے میں ڈرون بموں کے ذریعہ کیے جانے والے ایک پرشور حملے کے امکان کو کاملاً مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے بھی کہ کم درجے کے ڈرون حملے وہاں پہلے سے ہی جاری ہیں۔

بدقسمتی سے انٹیلی جنس کے ذرائع اور گھاگ قسم کے ماہرین نے اپنی شطارت و مہارت کے ساتھ جنوبی ایشیا کے مدارس کی یہ تصویر کشی کی کہ وہ نہ صرف امریکہ کے ازلی دشمن ہیں بلکہ وہ مغرب اور پوری متمدن دنیا کے بدترین دشمن

ہیں۔بغیر کسی ثبوت وشہادت کے متعدد کالم نگاروں اور صحافیوں نے مدارس اور دہشت گردی کے مابین رابطہ پیدا کرنے کے عمل کے ذریعہ اپنی جیبیں بھرنے کی کوشش کی۔

مجھے امید ہے کہ کوئی بھی حادثاتی منظر نامہ وہائٹ ہاؤس، قانون سازوں اور امریکی عوام کو اس بات پر مائل نہیں کرے گا کہ وہ اس طرح مدارس کو اپنے حملوں کا نشانہ بنانے کی راہ اختیار کریں۔ میری کتاب ''دینی مدارس: عصری معنویت اور جدید تقاضے'' یقینی طور پر آپ کو اصل حقائق سے مطلع کرے گی۔لیکن اسی کے ساتھ آپ کو ڈونالڈ رمس فیلڈ اور حتی کہ کولن پاویل جیسے سنجیدہ و بردبار سیاست دانوں کے اقوال کو بھی نظر انداز کرنا پڑے گا جنھوں نے مدارس کی شبیہ کو نہایت ہیبت ناک اور لرزہ خیز بنا دیا۔ آپ کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ ان دونوں افراد نے جارج ڈبلیو بش کی انتظامیہ میں عراق پر جنگ مسلط کرنے کے فیصلے میں اور پھر جنگ کے دوران فاش غلطیاں کیں۔

اس میں شک نہیں کہ طالبان نے مدارس اور علما کی شبیہ کو خراب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ طالبان وابستگان مدارس کا محض ایک طبقہ یا گروہ ہے۔جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی اکثریت مدارس کو دینی علوم کی دانش گاہ کی شکل میں دیکھتی ہے، نہ کہ دہشت گردی کے مراکز کی شکل میں۔ وہ مدارس کے ساتھ تعاون کرتی ہے کیوں کہ وہ بجا طور پر یہ سمجھتی ہے کہ وہ مسلم سماج کی خدمات میں مصروف ہیں۔ عام طور پر مسلمان مدارس کو امریکی اور یورپی باشندوں کی طرح سے خطرے کی علامت تصور نہیں کرتے۔

اب امریکی انتظامیہ کے لیے وہ وقت آ گیا ہے کہ وہ عالمی سطح پر پھیلے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ تعامل کے بارے میں اپنے موقف کو درست کرے۔ مسلم معاشروں کے خلاف ثقافتی جنگ چھیڑ دینا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اس سے صورت حال مزید سنگین ہوگی۔افغانستان اور عراق پر امریکی حملوں نے عالمی سطح پر مسلم اقوام کے اعتماد کو زبردست ٹھیس پہنچائی ہے۔ اور اس زمرے میں متوسط اور اعلیٰ دونوں طبقات شامل ہیں۔مسلمان خاص طور پر نوجوان مسلم طبقے کا احساس ہے کہ بین الاقوامی برادری نے اسے جیسے اچھوت سمجھ لیا ہے، جس کے ساتھ اس کے مذہب کی بنیاد پر تفریق و امتیاز برتا جا رہا ہے۔اب مسلم مخالف احساسات نے اسلام فوبیا کی شکل اختیار کر لی ہے۔

مدارس کے ساتھ معاندانہ برتاؤ امریکہ کی پبلک ڈپلومیسی کی ایک تاریخی ناکامی ہوگی۔ اس نوع کے برتاؤ سے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات مزید بد سے بدتر ہو جائیں گے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مسلمانوں، خاص طور پر یورپ، شمالی امریکہ اور افریقہ میں مقیم مسلمانوں پر اس کے بدترین اثرات مرتب ہوں گے۔

مسلم ممالک کے اعلیٰ طبقات سے تعلق رکھنے والے سیکولر افراد یا فوج سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی باتوں کو محض ان کے ذاتی مفادات کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ یہ اعلیٰ طبقے کے افراد دورخی باتیں کہنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں اگر وہ مدارس سے متعلق زبان کھولتے ہیں تو ان کا موقف یہ ہوتا ہے کہ مدارس اور اہل مدارس دنیا سے منقطع اور دقیانوسیت کے شکار ہیں، جب کہ خود اپنے متعلقہ ممالک میں وہ اہل مدارس یا راسخ العقیدہ طبقے کی خوشامد و چاپلوسی میں لگے رہتے ہیں۔ دوسرے درجے کے وسیلۂ معلومات پر انحصار نہ کرتے ہوئے وقت کا تقاضا ہے کہ یہ سمجھے

کی کوشش کی جائے کہ مدارس سے تعلق رکھنے والے امریکہ کے مخالف یہ کون لوگ ہیں؟ ان سے متعلق مکمل معلومات بہم پہنچائی جائے اور ثقافتوں کے درمیان پیدا شدہ خلیج کو کم کرنے کے لیے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

ایک فیصلہ ساز کی حیثیت سے آپ کو اچھی طرح یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مسلم معاشروں میں مدارس اور علما کی اہمیت اور ان کا کردار کیا ہے؟ علما مذہبی تعلیم یافتہ افراد کا وہ طبقہ ہے، جو مسلم سماج کی خدمت کو حرزِ جان بنائے ہوئے ہے۔ علما کا یہ طبقہ مدارس کے فضلا پر مشتمل ہوتا ہے جن کی تربیت اسی طرح ہوتی ہے جس طرح امریکہ یا بعض دوسرے ممالک کے مذہبی اسکولوں میں عیسائی مذہبی علما کی تربیت کی جاتی ہے۔ آپ غور کر سکتے ہیں کہ اگر ملک ''الف'' ملک ''ب'' کے مذہبی طبقے کو اس وجہ سے اپنی جنگ کا نشانہ بنائے کہ اس کے مذہبی طبقے کے بعض لوگ تخریب کارانہ سیاسی سرگرمیوں میں مشغول ہیں تو اس نوع کی حرکت کے نتیجے میں اس مذہب سے تعلق رکھنے والا مذہبی طبقہ عالمی سطح پر الگ تھلگ ہو کر رہ جائے گا۔ امریکہ نے افغان پاک سرحدی علاقے میں فوجی اور ثقافتی سطح پر جو جنگی مہم چھیڑ رکھی ہے، اس کے نتیجے میں ایسے ہی مظاہر سامنے آ رہے ہیں۔

مسلم آبادی کے لحاظ سے جنوبی ایشیا کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں مسلمانوں کی کل آبادی کا تخمینہ 489 ملین ہے۔ یہ آبادی تین ممالک — ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں بکھری ہوئی ہے۔ اندازہ ہے کہ 2030 تک جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی تعداد بڑھ کر 679 ملین ہو جائے گی۔ آبادی میں اضافے کے ساتھ ظاہر ہے مذہبی طبقے میں وسعت آئے گی۔ یہ بات آپ کے ذہن نشین رہنی چاہیے کہ کروڑوں افراد پر مشتمل مسلم آبادی علما سے وابستہ ہے اور روزمرہ کی زندگی میں ان کی پیروی کرتی ہے۔ دنیا میں چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت وہ انھی علما کے پیچھے نماز ادا کرتی ہے۔ وہ ان کے جمعہ اور عید کے خطبات سنتی ہے۔ اخلاقی و شرعی امور و معاملات میں وہ انھی سے رجوع کرتی ہے۔ مصائب و حوادث کی گھڑی میں وہ ان سے دعاؤں کے لیے التماس کرتی ہے۔ تجہیز و تکفین میں یہ علما ہی ہیں، جنھیں لوگ پیش پیش رکھتے ہیں۔ اسی طرح مسلم عوام کو خانگی زندگی کے معاملات — نکاح و طلاق، آمدنی کے صحیح استعمال اور وراثت سے لے کر عالمی سیاست کے معاملات تک میں علما کی رہنمائی شامل ہوتی ہے۔ انتخابات اور سیاسی اجتماعات میں بھی علما پیچھے نہیں رہتے۔ ٹیلی ویژن، ریڈیو، انٹرنیٹ نیز اپنی تحریروں اور کتابوں کے ذریعے وہ دور دراز اور مختلف النوع علاقوں: باندونگ (انڈونیشیا) بالٹی مور (امریکہ) کیشا گار (چین) اور کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) کے عوام کی بہت بڑی تعداد کو اپنا مخاطب بنا لیتے ہیں۔

ملیشیا یا ''مالی'' کے ایک عالم، یا بسا اوقات ایک عالمہ، نے خواہ قاہرہ میں تعلیم حاصل کی ہو، تاہم وہ جنوبی ایشیا کے کسی مدرسے کے فاضل کے کائناتی نظریے سے بخوبی واقفیت رکھتا/رکھتی ہے۔ اس کے برعکس کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ مدارس اور علما اپنا عالمی نیٹ ورک رکھتے ہیں اور ایک مشترکہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ یہ مشترکہ زبان فقہ اور دینیات کی زبان ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے مسلمان علما کے بارے میں یہ شکوہ کرتے نظر آتے ہیں کہ اُن کے اندر مطلوبہ تفقہ اور دینی بصیرت کی کمی ہے جس کے نتیجے میں نکاح و طلاق، جنسی معاملات اور خانگی زندگی کے تعلق

سے ان کے بہت سے تصورات ونظریات حقیقت کی عکاسی نہیں کرتے اور جو معاصر حساس ذہنیتوں کو زک پہنچاتے ہیں، تاہم یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ علما میں روشن فکر اور تاریک الخیال دونوں طرح کے افراد شامل ہیں۔

بعض علما اپنی عوامی مقبولیت میں کسی ''راک اسٹار'' سے کم نہیں۔ شیخ یوسف القرضاوی کا شمار انھی میں ہوتا ہے جن کا تعلق اصلاً مصر سے ہے، لیکن وہ قطر میں مقیم ہیں۔ یہ ان علما میں سے ایک ہیں جن کے افکار ونظریات، ان کے خطبات ومواعظ کے حوالے سے عالم اسلام کے ہزاروں ریڈیو اسٹیشن اور ٹی وی چینلوں سے نشر کیے جاتے ہیں۔ [1] ہاں! یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ان علما میں سے سب کے سب امریکہ یا مغرب کے تئیں دوستانہ ذہنی تعلق نہیں رکھتے۔ اسی وجہ سے ان علما کے ساتھ مکالمے کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اس مکالمے کے فکر واحساس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کانگریس کے ارکان، وہائٹ ہاؤس اور غیر ملکی حکومتوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے مشیر کاروں میں سے ان لوگوں کے مشوروں کو خاطر میں نہ لائیں جو اس قسم کے مکالمے کی اہمیت کے منکر ہیں اور جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان لوگوں کو اس کام میں لگائیں جو اس کی حقیقت اور فائدوں سے واقف ہیں۔

یہاں اس حقیقت کا تذکرہ کرنا بجا ہوگا کہ مسلم ممالک کے ارباب حل وعقد کا وطیرہ علما سے متعلق یہ ہے کہ وہ انھیں ''داخلی جلاوطنی'' کا شکار بنا کر رکھتے ہیں۔ انھیں علما کی ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے اور وہ اس وقت ان کی طرف نظر التفات کرتے ہیں جب انھیں انتخابات میں ووٹوں کی فکر ستاتی ہے یا جب کوئی بڑا عالمی بحران سامنے آتا ہے۔ ایسے میں ان علما کو عوامی حلقے میں لایا جاتا ہے تاکہ ان کے ذریعہ ووٹوں کی کاشت کی جا سکے یا عوامی جذبات کو دبایا جا سکے۔

پاکستان جیسے ملک میں جہاں سیاسی نظام تزلزل کا شکار ہے، علما اس معاشرے کے تشویش ناک پہلوؤں سے واقفیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ [2] 2008 میں امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگی مہم میں پاکستانی فوج کی شرکت کو انھوں نے ''دھوکے'' اور ''شرمناکی'' سے تعبیر کیا تھا۔ علما کا کہنا ہے کہ پاکستان کا اعلیٰ طبقہ اسراف پسند، بدعنوان اور عدالت کی حیثیت کو کم کرنے میں اپنی کوششوں میں بے حیائی کا ارتکاب کرنے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر پاکستان کی محبت میں سرشار لوگ علما کے حلقوں کی طرف سے دئے گئے بیانات کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ علما ایک طرف مغرب کے اسلامی معاشرے پر پڑنے والے اثرات کی مذمت کرتے ہیں، دوسری طرف وہ مذہبی انتہا پسندی کی اشاعت کے راستے میں روک کا کام کرتے ہیں۔

علما کی نگاہ میں تعلیم ثقافت کا میدان کارزار ہے۔ وہ لارڈ میکالے کا ذکر نہایت ناپسندیدگی کے ساتھ کرتے ہیں کہ اس نے کہا تھا کہ ہمیں ایک ایسے طبقے کو وجود میں لانا چاہیے جو اپنے خون کے اعتبار سے ہندوستانی لیکن اپنے اسلوب فکر اور رجحان کے لحاظ سے انگریز ہو۔ [3] علما سمجھتے ہیں کہ اگر سیکولر تعلیم پر کوئی بندش نہ ہو تو وہ ایک بڑا خطرہ ہے۔ اس سے مسلمانوں کی مذہبی شناخت محفوظ نہیں رہتی۔ اس سے اس بات کا خدشہ ہے کہ مستقبل کی اسلامی نسل یورپ اور امریکہ کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو جائے۔ حال میں کیے گئے ایک مطالعے کی روشنی میں یوسف قرضاوی جیسا عالم بھی یہ تصور رکھتا ہے کہ گلوبلائزیشن کا مقصد پس پردہ دنیا میں مغربی تہذیب کی اشاعت اور بالادستی کا قیام ہے۔ [4] مجھے معلوم

ہے کہ بعض لوگوں کی نگاہ میں یوسف قرضاوی کی شخصیت اشتباہ کے دائرے میں ہے، لیکن جہاں تک مسلمانوں کا معاملہ ہے تو وہ انھیں ایک راسخ العقیدہ عالم ومفکر تصور کرتے ہیں۔ البتہ وہ اسی کے ساتھ یہ خیال بھی رکھتے ہیں کہ ان کے یہاں کسی حد تک آزاد خیالی یا تجدد کی روش پائی جاتی ہے۔

بعض مسلم جماعتوں، جن میں طالبان سرفہرست ہیں، نے مغربی خصوصاً خواتین کی تعلیم کے تعلق سے انتہا پسندانہ نقطۂ نظر اختیار کیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ طالبان کا معاملہ استثنائی ہے، ان کے خیالات کو مسلمانوں کی وسیع تعداد مسترد کرتی ہے۔ جنوبی ایشیا میں لڑکیوں کے مدارس اور ریگولر اسکولوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ مزید برآں، مدارس سے تعلق رکھنے والے اصحابِ علم ودانش کی اکثریت اس نقطۂ نظر کی حامل ہے کہ اس حد تک جس حد تک سیکولر تعلیم ان کے طریق زندگی اور اخلاق واقدار کو متاثر نہیں کرتی؛ مسلمان اس سے فائدے حاصل کر سکتے ہیں۔

مدارس اور علما جس دینیات کو پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ ایک ذرا آپ اس کو نگاہ میں رکھیں تو اس سے حقیقت کو سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ توحید یا ایک خدا میں یقین رکھنا مسلمانوں کے ایمان کی اساس ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف خاتم الانبیا ہی نہیں بلکہ افضل الانبیا بھی ہیں۔ صدیوں قبل پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب نے شرک وکفر کے خلاف جنگیں لڑیں۔ ظلم و بے انصافی کے خلاف جہاد کیا اور انسانیت کی عظمت کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ علما کے مطابق، دین کی روح اور اس کا جوہر پیغمبر اسلام کے نمونۂ زندگی کے مطابق، زندگی گزارنا ہے۔ پیغمبر محمد کی زندگی کے ماڈل اور دوسری شخصیات ——شری رام، حضرت عیسیٰ اور گوتم بدھ—— کی زندگی کے ماڈل میں فرق پایا جاتا ہے۔ اسلام میں پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رول کے صحیح ادراک کے لیے مسلمانوں کی عبادات اور مذہبی اعمال کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ چنانچہ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے ساتھ حساسیت کے ساتھ تعامل بین ثقافتی مکالمے اور مذہبی رواداری وقیام امن کی کوششوں کو کامیابی کے ساتھ ہم کنار کرنے کے لیے ضروری ہے۔

مدارس قدیم فقہی مکاتب کی تقلید کا دم بھرتے ہیں اور اس حوالے سے معاصر دنیا کے سماجی تقاضوں کے تحت اپنے دینیاتی (theological) نقطۂ نظر میں تبدیلی بھی لاتے رہتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں اس عمل میں ان پر قدامت پرستی کی ذہنیت غالب رہتی ہے اور وہ اس کو تعمیری ومثبت انداز میں انجام نہیں دے پاتے۔ یہی حال اسلامی قانون یا شریعت پر عمل کا ہے۔ اس تعلق سے علما کی مختلف جماعتیں لچک یا شدت پسندی پر مبنی رویہ رکھتی ہیں۔ یعنی اس حوالے سے علما کے یہاں یکساں کے بجائے متنوع رویہ پایا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر تمام علما واہل مدارس اپنے پیروکاروں کی اس بات کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے کہ وہ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ کی مسخ کاری کے واقعات پر مشتعل ہوں۔ اکثر بین مسلکی کشمکش کی صورتحال اور تنگ ذہن رکھنے والے چھوٹے درجے کے مولویوں کا یہ شیوہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے قطع نظر کہ ایسے معاملات میں شریعت کا حکم کیا ہے، لٹھ لے کر میدان میں کود پڑتے ہیں۔ تقریباً ایک صدی پیشتر علمائے دیوبند کے سرخیل مولانا محمود حسن نے گستاخی رسول کے واقعات پر مسلمانوں کے آتش زیر پا ردعمل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایسی حرکتیں مسلمان رسول کی محبت میں نہیں

بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ اس سے ان کی انا کو چوٹ لگتی ہے۔

جنوبی ایشیا کے اکثر مسلمانوں کی مذہبی قیادت مغرب اور مغربی اقدار کو اسلامی تہذیب واقدار کے لیے خطرہ تصور کرتی ہے۔ مدارس کو وہ مغربیت کے مقابلے میں ڈھال تصور کرتی ہے۔ [5] جس طرح اٹھارویں صدی میں مدارس کے نیٹ ورک نے استعماری منصوبوں کو ناکام بنانے میں اپنا کردار ادا کیا تھا، اسی طرح آج مدارس مغرب کی نئی استعماری ترک تازیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے ثقافتی قلعے کی حفاظت پر کمر بستہ ہیں۔ ایک معتدل فکر ونظر رکھنے والے عالم لکھتے ہیں: ''مدارس اسلام کے بقائے حیات کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' [6] ایک دوسری شخصیت کی نظر میں مدارس ''پاور ہاؤس'' کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے مسلمانوں کی اجتماعی وثقافتی شناخت باقی ہے۔ مسلم معاشرے کی مذہبی واخلاقی اقدار انھی کی رہین منت ہیں۔ [7] سرد جنگ کے خاتمے کے بعد مدارس کے علما برملا یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اب مغربی طاقتوں کا اصل حریف اسلام رہ گیا ہے۔ [8]

یہ سمجھنا درست نہیں ہوگا کہ اہلِ مدارس دنیا کے سیاسی حالات سے واقف نہیں ہیں۔ بین الاقوامی خبروں اور تجزیوں پر ان کی نگاہیں رہتی ہیں اور امریکہ جس انداز میں خود کو عالمی سطح پر پیش کرتا رہتا ہے، وہ اس سے طیش میں آتے اور بل کھاتے رہتے ہیں۔ ان کے جذبات واحساسات کو جو چیز ٹھیس پہنچاتی اور برانگیختہ کرتی ہے، وہ مشرقِ وسطیٰ میں امریکہ کا کردار، عراق وافغانستان پر امریکہ کی طرف سے جنگ کو مسلط کرنا اور فلسطینیوں کے ساتھ انصاف نہ کیا جانا ہے۔

عالمی سطح پر سیاسی طاقتوں کے درمیان عدم توازن کی جو کیفیت پیدا ہوگئی ہے، اس نے بہت سی مرضیاتی نفسیات کو پروان چڑھنے کا موقع دیا ہے۔ افغان پاک سرحدی علاقے کے بہت سے مذہبی علوم کے حاملین کا مزاج بدقسمتی سے تخریب کاری کی صفت رکھتا ہے۔

آپ کو اس بات کے لیے ذہنی طور پر آمادہ رہنا چاہیے کہ افغان پاک سرحدی علاقے اور عالم اسلام کے دوسرے حصوں میں مذہب، ثقافت اور سیاست کا ایک بڑا الجھا ہوا اور پیچیدہ منظر نامہ سامنے آنے والا ہے۔ یہ بات بھی آپ کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تشدد جغرافیائی وسیاسی صورتِ حال کی ابتری سے تعلق رکھتا ہے۔ پاکستان میں عدمِ استحکام کی صورتِ حال میں اصلاً کشمیر کے مسئلے کو دخل ہے۔ ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا افغانستان میں ایک ایسی مستحکم اور شمولیت پسند حکومت وجود میں آپائے گی جو علاقے میں امن وسلامتی کی صورتِ حال کو یقینی بنا سکے؟ علاحدگی پسند تحریکات اور نسل پسندی کا نظریہ رکھنے والے عناصر اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے مذہب کی طاقت کو استعمال کرتے ہیں۔ اس بنا پر یہ موضوع گہری تحقیق ومکالمے کا متقاضی ہے۔

اب میں چند ایسے امور کی نشان دہی کرنا چاہوں گا، جن سے پالیسی سازوں کے لیے احتراز لازمی ہے، تاکہ مسلم راسخ العقیدگی کے ساتھ مکالمہ کامیابی سے ہم کنار ہو سکے۔ مسلمانوں کے ساتھ تمام تر تعلقات پر پانی پھیر دینے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی جائے اور

مدارس کے نصاب، اقدار اور طرزِ حیات کے بارے میں کوئی چیز اُن پر مسلط کرنے کی کوشش کی جائے۔ مدارس کی قبیح اور پر ہیبت شبیہ سازی کا مطلب ہے: مسلمانوں کے مذہبی وثقافتی اقدار وادارات کو مسترد کر دینا جسے مسلم حلقوں میں شدت کے ساتھ مسترد کر دیا جاتا ہے۔ لوگوں سے مدارس کی حمایت واعانت سے دست کش ہو جانے کی بات کہنے کا مطلب ہے، مسلمانوں کی مذہبی وثقافتی ترجیحات کو خود سے طے کرنا۔

راسخ العقیدہ مسلم طبقے کے ساتھ مکالمے کی پہلی شرط یہ ہے کہ جنوبی ایشیا اور دوسرے مسلم خطوں میں ڈرون حملوں کے سلسلے کو بند کر دیا جائے۔ مبینہ دہشت گردوں کو ملکی قانون کو خاطر میں لائے بغیر ہدف بنانا نہایت خطرناک ہے اور اس کا نتیجہ معصوم اور بے گناہوں کے قتل و ہلاکت کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ مزید برآں اس طرح کی کاروائیاں امریکہ کی معتبریت کو نقصان پہنچاتی ہیں اور حقوق انسانی کے تئیں اس کے التزام عہد کی اہمیت کو کم کر دیتی ہیں۔

علم وشعور کے ساتھ مکالمہ ہی اصل مسئلے کا حل ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اعتماد سازی کا عمل مسئلے کے حل میں بنیادی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ امریکی و یورپی قیادت کو اس خطے کے مستقبل کے ساتھ تعامل کرنے میں متعدد چیلنجز درپیش ہیں۔ سب سے چیلنج آمیز مسئلہ یہ ہے کہ ایسی جماعتوں کے ساتھ جن کا کائناتی نظریہ مغرب سے مختلف ہے، کس طرح باہمی احترام کے ماحول میں گفتگو کی جائے؟ کیا یورپ وامریکہ کسی ایسی دنیا کا تصور کر سکتے ہیں جہاں مضبوطی کے ساتھ تکثیری اقدار پائے جاتے ہوں؟ بامعنی گفتگو کی اساس اقدار پر باہم متفق نہ ہونا ہے۔ مدارس کے ساتھ مکالمے کے عمل سے اختلاف کو برداشت کرنے کا ہنر آئے گا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ میں نے یہ بات محسوس کی کہ اہل مدارس صرف یہ چاہتے ہیں کہ انھیں چھیڑا نہ جائے۔ وہ اسلام کے مطابق نیکی و پارسائی کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور دانش وری کے روایتی سلسلے کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں جو ان کے مذہبی ایقان کو استحکام عطا کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ انھیں یہ برداشت نہیں کہ کوئی دوسرا ان کے طرزِ حیات کو تبدیل کر دے۔ ایک شخص کو دوسرے کے طرزِ حیات میں تبدیلی کا مسئلہ گیارہ ستمبر کے بعد کی دنیا میں امریکیوں کے لیے نامانوس نہیں رہ گیا ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں بکھرے ہوئے لوگوں کی سوچ یہی ہے کہ دوسرے لوگ ان کے اپنے اسلوبِ حیات کا احترام کریں۔

ان شرائط کی تکمیل کا تقاضا ہے کہ اس تعلق سے امریکی سیاسی قیادت کی ذہنیت میں تبدیلی آئے کہ دوسری اقوام، ثقافتوں اور اقدار کے ساتھ کس طرح تعامل کیا جائے؟ بغیر اس بنیادی تبدیلی کے آگے کی راہ نہایت دشوار گزار ہوگی۔ آج کی گلوبلائزیشن کی دنیا کا ماحول اپنے اندر بہت زیادہ نزاکت رکھتا ہے۔ گرین ہاؤس گیسوں کی وجہ سے ہواؤں میں در آنے والی آلودگی سے لے کر بین الاقوامی تعلقات، سفارت کاری، جنگ اور انسانی تعلقات تک یہ ساری چیزیں علم پر مبنی شعور وحساسیت کی متقاضی ہیں۔ یعنی یہ ادراک کرنا کہ ہماری بقا دوسروں کی بقا وارتقا میں ہے نہ کہ انھیں ہلاک وتباہ کرنے میں۔ اصل نقطۂ آغاز اس اصول پر عمارت کی تعمیر ہے کہ دوسروں کی تہذیب وثقافت بھی اتنی ہی قابل قدر ہے جتنی کہ اپنی۔ اس طرح کے بقائے باہم کو یقینی بنانے کے لیے مغرب کے لیے اصل آزمائش کی بات یہ ہے کہ طبقۂ علما

کے ساتھ اس کے تعلقات بہتر اور نارمل ہوں۔

مخلص:
ابراہیم موسیٰ
پروفیسر اسلامک اسٹڈیز
کروک انسٹی ٹیوٹ فار انٹرنیشنل پیس اسٹڈیز،
یونیورسٹی آف نوٹرے ڈیم، انڈیانا، امریکہ

حواشی

(1) یوسف قرضاوی کو ان کو استشہادی حملوں کے جواز کے نظریے کی وجہ سے برطانیہ اور امریکہ میں داخلے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ کچھ دنوں قبل قرضاوی کے صاحبزادے نے سابق مصری صدر محمد مرسی کو دوبارہ اقتدار میں لانے کی اپنے والد کی کوششوں کی مخالفت کی دیکھئے: ''اسامہ عبدالرحمن القرضاوی إلی أبیه یوسف القرضاوی''۔

(2) The News, "Ulema Open Their Heart to MPs on Terror."

(3) Macaulay's Minute on Indian Education, http://www/english.ucsb.edu/faculty/rraley/research/english/macaulay.html.

(4) Zaman, Modern Islamic Thought, 156-57.

(5) عثمانی (تقی): ہمارا نظام تعلیم، 77، مظہری (وارث) ''فضلائے مدارس.....'' 206-199، منصوری، محمد عیسیٰ ''مغرب'' 9-105

(6) مظہری (وارث): ''فضلائے مدارس''، 199

(7) مصباحی، یسین اختر: قرآن اور جہاد، 63

(8) منصوری، ''مغرب'' 108

(اردو ترجمہ: ڈاکٹر وارث مظہری)

حالات وواقعات

ابوعمار زاہد الراشدی

جنرل باجوہ اور بلوچستان

آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ نے گزشتہ روز بلوچستان کے مختلف تعلیمی اداروں سے تعلق رکھنے والے پونے دو سو کے لگ بھگ طلبہ کے ایک گروپ سے بات چیت کرتے ہوئے انہیں تلقین کی ہے کہ وہ مختلف بیرونی ایجنسیوں اور اداروں کی طرف سے پاکستان کے بارے میں کیے جانے والے منفی پراپیگنڈا سے متاثر نہ ہوں اور وطن عزیز کی سلامتی واستحکام اور فلاح وترقی کے لیے تعلیمی میدان میں آگے بڑھیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کا تعلق بلوچ رجمنٹ سے ہے اور وہ بلوچستان کے شہریوں اور نوجوانوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بیرون ملک بہت سے ادارے اور ایجنسیاں بلوچستان کے حوالہ سے مخالفانہ پروپیگنڈا کر کے وطن عزیز پاکستان کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں جس کا جواب ہمیں متحد اور منظم ہو کر دینا ہوگا۔

محترم باجوہ صاحب کے یہ ارشادات حرف بہ حرف درست ہونے کے ساتھ ساتھ برموقع بھی ہیں کہ بلوچستان کے حوالہ سے پاکستان کے خلاف بیرونی سرگرمیوں میں تیزی آ رہی ہے اور سوئٹزرلینڈ میں اس سلسلہ میں آویزاں کیے جانے والے بینروں کے علاوہ بھارتی دانشوروں کا ایک حلقہ اپنی حکومت پر زور دے رہا ہے کہ وہ بلوچستان میں نام نہاد آزادی کی تحریک کو سپورٹ کرے جیسا کہ وزیر اعظم نریندر مودی نے چند دن قبل ایک تقریر میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ گزشتہ روز یوٹیوب پر ایک ڈاکومنٹری دیکھنے کا موقع ملا جس میں کسی بھارتی تجزیہ نگار نے سی پیک منصوبے کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے اس سے مبینہ طور پر بھارت کو پہنچنے والے نقصانات کا ذکر کیا ہے اور اس کا حل یہ تجویز کیا ہے کہ بھارت بلوچستان کا کارڈ استعمال کرے اور وہاں آزادی کے نام سے اٹھائی جانے والی آواز کو مضبوط کرے۔ بھارتی حکومت کو دنیا بھر میں مقبوضہ کشمیر کے حوالے سے جن سوالات اور الزامات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کے جواب میں بھی وہ بلوچستان کا حوالہ دیتے ہیں، حالانکہ بلوچستان دیگر علاقوں کی طرح ’’قانونِ آزادی ہند 1947ء‘‘ کے تحت پاکستان میں شامل ہوا تھا اور کشمیر نے بھی اسی قانون کے تحت پاکستان میں شامل ہونا تھا لیکن بھارت نے کشمیری عوام کی خواہشات کے علی الرغم اس پر بزورِ طاقت قبضہ جما لیا جبکہ اس قبضہ کو طوالت دینے میں عالمی قوتوں کے مفادات آج تک کارفرما ہیں۔

سی پیک منصوبے سے کس کس کو فائدہ ہوگا اور کون کون نقصان میں رہے گا یہ ایک الگ موضوع ہے اور اس سے خطہ میں طاقت ومعیشت کا توازن کن تبدیلیوں سے دوچار ہوگا یہ بھی ایک مستقل گفتگو کا متقاضی ہے۔ لیکن سرِدست

اتنی بات واضح ہے کہ یہ عظیم معاشی منصوبہ چونکہ پاکستان سے تعلق رکھتا ہے اوراس سے پاکستان کی بے پناہ ترقی کے واضح امکانات دکھائی دے رہے ہیں اس لیے یہ پاکستان کے روایتی حریف بھارت کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی طاقتوں کو کھٹک رہا ہے۔ اور یہ ظاہر و پوشیدہ قوتیں اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچنے سے خدانخواستہ روکنے کے لیے اپنے اپنے دائروں میں سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں جن کا منظر دن بدن واضح ہوتا جا رہا ہے۔

سی پیک میں مرکزی کردار بلوچستان اوراس کی بندرگاہ گوادر کا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ منفی سرگرمیوں کا سب سے بڑا ہدف بھی وہی ہوگا۔ بلوچستان میں آزادی کی محدود اور مصنوعی تحریک ان سرگرمیوں کا ایک اہم دائرہ ہے اور بلوچستان کو قیام پاکستان کے بعد سے ہی اس قسم کی منفی سرگرمیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے: ایک دور میں بلوچ اور پختون قوموں کے درمیان غلط فہمیاں بڑھانے اور انہیں منفی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی مہم چلتی رہی۔ پھر بلوچوں کو قومیت کے حوالہ سے آزادی اور خودمختاری کا خواب دکھلا کر اسے آگے بڑھانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ ایک موقع پر کوئٹہ میں پنجابی اور غیر پنجابی کا سوال بھی ابھارا گیا، جبکہ ہزارہ قوم کے معاملہ میں باہمی قتل وقتال کو بھی اس منظر سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن ان میں سے کوئی کارڈ بھی کامیابی کے ساتھ نہیں کھیلا جا سکا اور اس قسم کی ہر مہم میں اس کے منصوبہ کاروں کو منہ کی کھانی پڑی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بلوچستان کے عوام پاکستان سے محبت رکھتے ہیں اور پاکستانی کہلانا ہی پسند کرتے ہیں۔ لیکن ایک وجہ اور بھی ہے کہ 1970ء کے انتخابات میں اوراس کے بعد کم وبیش ہر الیکشن کے موقع پر جمعیۃ علماء اسلام بلوچستان کی ایک اہم سیاسی اور عوامی قوت کے طور پر سامنے آتی رہی ہے جو حوصلہ مند اور محبّ وطن علماء کی قیادت سے بہرہ ور ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کو ایک مضبوط و مستحکم اسلامی ریاست کے طور پر ترقی دینے کی خواہش مند ہے اور بلوچستان کے تمام علاقوں اور قومیتوں میں یکساں اثر ورسوخ رکھتی ہے۔ اگر کوئی منصف مزاج تجزیہ نگار خالصتاً سیاسی اور سماجی نقطہ نظر سے قیام پاکستان کے بعد سے اب تک کی صورتحال کا جائزہ لے تو اس کے لیے یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ بلوچستان میں خدانخواستہ علیحدگی یا تقسیم کی کسی بھی تحریک کے مقابلہ میں سب سے مضبوط رکاوٹ یہی دینی وسیاسی قوت ثابت ہوئی ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔

اس لیے آرمی چیف محترم کے ارشادات وجذبات کی تائید کرتے ہوئے ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ بلوچستان کے حوالہ سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف بین الاقوامی طور پر منظم کی جانے والی سازشوں سے نمٹنے کے لیے جہاں ان اقدامات کی ضرورت ہے جو فوج سمیت ریاستی ادارے اس وقت کر رہے ہیں، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف قومیتوں کے حامل بلوچستان کے شہریوں کے درمیان عقیدہ ودین کے رشتہ کو اور زیادہ مضبوط کیا جائے اور دینی وحدت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے۔ کیونکہ یہی وہ وحدت اور رشتہ ہے جو کسی بھی منفی تحریک کا راستہ روکنے کے لیے سب سے زیادہ مؤثر رکاوٹ بن سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی محترم جنرل قمر جاوید باجوہ سے ایک اور گزارش بھی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ بیرون ملک اسلامی

جمہوریہ پاکستان کے خلاف بہت سے دیگر مورچے بھی مصروف عمل ہیں جنہیں مختلف بیرونی ایجنسیاں اور ادارے سپورٹ کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک مورچہ قادیانیوں کا ہے جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی منتخب پارلیمنٹ کے متفقہ دستوری فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے دستور و قانون پر عملدرآمد کا بائیکاٹ کر کے بلکہ اسے چیلنج کر کے اس کے خلاف بین الاقوامی فورموں پر مورچہ لگائے ہوئے ہیں جس سے ریاست کی ''دستوری رٹ'' سوالیہ نشان بن کر رہ گئی ہے جبکہ ریاست کی رٹ قائم کرنا اور دستور کی بالادستی کا احترام کروانا ریاستی اداروں کی ذمہ داری ہے۔ اس مسئلہ پر ہم نے مسلح افواج سمیت تمام ریاستی اداروں کی ہمیشہ حمایت کی ہے حتیٰ کہ ''اسلامی شریعت'' کے نام پر ریاستی رٹ کو چیلنج کرنے والوں کو بھی ہماری دوٹوک مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ اسلامی شریعت کے نام سے ریاستی رٹ کو چیلنج کرنے والوں کے خلاف اگر کارروائی ہوسکتی ہے، جو کہ حکومت کا دستوری و قانونی حق ہے، تو عقیدۂ ختم نبوت سے انکار کے نام پر دستور کی بالادستی کو چیلنج کرنے اور اس کے لیے بین الاقوامی فورموں پر پاکستان کے خلاف مسلسل ''مورچہ بندی'' کا عمل بھی فوج سمیت تمام ریاستی اداروں کی توجہ کا مستحق ہے۔

ان گزارشات کے ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سالمیت و استحکام اور فلاح و ترقی کے لیے آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ کے جذبات و احساسات اور اقدامات کے ساتھ مکمل یکجہتی اور ہم آہنگی کا اظہار کرتے ہوئے ہم ان کی کامیابی کے لیے بارگاہِ ایزدی میں خلوص دل کے ساتھ دعا گو ہیں، آمین یا رب العالمین۔

دینی مدارس کو درپیش آزمائش

اس سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی کھالوں کے حوالہ سے دینی مدارس کے ساتھ جو طرزِ عمل اختیار کیا گیا وہ غیر متوقع نہیں تھا۔ اور کافی عرصہ سے سرکاری پالیسیوں کا رخ اسی طرف نظر آ رہا تھا کہ دینی مدارس کی میڈیا پر مسلسل کردار کشی کے ساتھ ساتھ ان کے ذرائع آمدن پر قدغنیں لگا کر ان کی ''سپلائی لائن'' کاٹ دی جائے تاکہ دینی مدارس کے موجودہ معاشرتی کردار کو محدود کرنے کے ایجنڈے کو آگے بڑھایا جا سکے۔ امریکی تھنک ٹینک ''رینڈ کارپوریشن'' کی رپورٹ کے بعد اس بات میں کوئی ابہام باقی نہیں رہ گیا تھا کہ گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے مسلم معاشرہ میں دینی علوم کے تحفظ و فروغ کا مسلسل اور مؤثر کردار ادا کرنے والے دینی مدارس کا یہ پرائیویٹ نظام کون سے طبقات اور عناصر کی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے اور کون سی قوتیں اور لابیاں ان مدارس کی تعلیمی و فکری جدوجہد کو اپنے اہداف و مقاصد کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے انہیں غیر مؤثر بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ لیکن ''شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار'' کا ذوق و مزاج رکھنے والے عناصر نے ''پنڈ کا ھلی'' کا جو منظر پیش کیا ہے وہ نہ صرف حیران کن ہے بلکہ دن بدن مضحکہ خیز بھی ہوتا جا رہا ہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے قربانی کی کھالوں کو دینی مدارس کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ تصور کرتے ہوئے اسے محدود کرنے کے لیے دو طرفہ عمل دھیرے دھیرے جاری تھا۔ ایک طرف کھالوں کی قیمت کو منصوبہ بندی کے ساتھ گراتے چلے جانے کی حکمت عملی اختیار کی گئی جبکہ دوسری طرف دینی مدارس کو اس بات کا پابند کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ قربانی کی کھالیں جمع کرنے کے لیے باقاعدہ اجازت حاصل کریں، اور اس طرح اس مقصد کے لیے ڈپٹی کمشنر کے اجازت

نامے کو بالآخر ضروری قرار دے دیا گیا۔

اس سال عیدالاضحیٰ سے کافی روز قبل جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے امیر مولانا فضل الرحمان اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف سے ملاقات کر کے ان سے اس مسئلہ پر بات کی تو انہیں یقین دلایا گیا کہ درخواست دینے والے مدارس کو اجازت دے دی جائے گی۔ چنانچہ وفاق المدارس کی طرف سے مدارس کو ہدایات جاری کر دی گئیں کہ وہ ڈپٹی کمشنر کو درخواست دے کر اجازت حاصل کر لیں۔ لیکن جب یہ درخواستیں دی گئیں تو انہیں عیدالاضحیٰ سے دو روز قبل تک ٹال مٹول میں رکھا گیا اور عین وقت پر بہت سے مدارس کو اجازت دینے سے انکار کر دیا گیا۔ اور پھر کہا گیا کہ اپیل کی جائے تو اپیل پر اجازت مل جائے گی۔

دینی مدارس کے ساتھ یہ رویہ صرف قربانی کی کھالوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اخباری اطلاعات کے مطابق پنجاب کی حکومت ''چیریٹی ایکٹ'' کے نام سے جو مجوزہ قانون لا رہی ہے، اس میں دینی مدارس کو اس بات کا پابند کیا جا رہا ہے کہ وہ زکوٰۃ وصدقات بھی سرکاری منظوری کے بغیر وصول نہیں کر سکیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ وصدقات کے معاملہ میں بھی دینی مدارس اور سرکاری اداروں کے درمیان ''آنکھ مچولی'' کا ایک نیا سلسلہ شروع ہونے والا ہے بلکہ ہمارے خیال میں اس سال قربانی کی کھالوں کے بارے میں اس قدر سختی کا معاملہ مجوزہ چیریٹی ایکٹ کی کامیابی کے امکان کا جائزہ لینے کے لیے بطور ''ٹیسٹ کیس'' کیا گیا ہے تاکہ اس کے نتائج کی روشنی میں پابندیوں کا نیا جال بچھایا جا سکے۔

اس پس منظر میں متعلقہ حلقوں سے مختصراً چند گزارشات پیش کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔

''رینڈ کارپوریشن'' کی رپورٹ مرتب کرنے والوں اور اس پر اپنی پالیسیوں کی بنیاد رکھنے والوں سے گزارش ہے کہ وہ یہ بات صحیح طور پر سمجھے ہیں کہ مغرب کے استعماری ایجنڈے اور مادر پدر آزاد ثقافت کے فروغ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جنوبی ایشیا کے یہ دینی مدارس ہیں۔ ہمیں اپنے اس کردار کا اعتراف اور اس پر فخر ہے۔ اور ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ تمام تر رکاوٹوں اور مخالفتوں کے باوجود دینی مدارس کا یہ معاشرتی، تعلیمی اور تہذیبی کردار بہر صورت جاری رہے گا اور مغربی فکر وفلسفہ کو بالآخر اسی کے آگے سرنڈر ہونا پڑے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسلمان حکمرانوں اور افسران سے گزارش ہے کہ اگر وہ اس علمی، فکری اور تہذیبی جنگ کا ادراک نہیں رکھتے تو اس کا ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ جائزہ لیں، مطالعہ کریں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو اپنے مستقبل کے بارے میں ضرور سوچ لیں کہ وہ تنخواہ ومراعات کے چند سال گزار لینے کے بعد دنیا و آخرت میں کون سے کیمپ میں شمار ہونا پسند کریں گے۔

دینی مدارس کے وفاقوں اور ان کی قیادتوں سے گزارش ہے کہ وہ مجموعی صورتحال کا از سر نو جائزہ لیتے ہوئے اپنی حکمت عملی اور ترجیحات کا از سر نو تعین کریں، لیپا پوتی کے ماحول سے نکلیں اور ان معاملات میں اپنے پیش رو بزرگوں کی حکمت عملی اور طرز عمل کا احیاء کرتے ہوئے دوٹوک لائحہ عمل اختیار کریں۔

دینی مدارس کے منتظمین، اساتذہ اور طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ اس سے زیادہ مشکل اور پریشان کن حالات کے

لیے خود کو ذہنی طور پر تیار رکھیں۔ ہمارے خیال میں سہولتوں میں اپنی حدود کا لحاظ نہ رکھنے کی روش ہمیں راس نہیں آئی اور پھر سے سادگی، قناعت، جفاکشی اور توکل کے اب سے نصف صدی قبل کے ماحول میں واپس جانا شاید ہمارے لیے ضروری ہو گیا ہے، فافہم وتدبر۔

معاونین اور بہی خواہوں سے گزارش ہے کہ حالات ان کے سامنے ہیں اور بدلتی ہوئی صورتحال ان سے مخفی نہیں ہے۔ مدارس محض اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ چل رہے ہیں جبکہ آپ جیسے معاونین اور ہمدردوں کو اللہ تعالیٰ نے اس فضل وکرم میں ذریعہ کے طور پر قبول کر رکھا ہے جو کہ بہت بڑی سعادت اور خوش بختی کی بات ہے۔ آپ حضرات کو سب سے زیادہ محتاط رہنا ہوگا کہ زمانے کی چالیں، مخالفین کی تدبیریں اور میڈیا کی کردارکش سرگرمیاں کہیں آپ کو اس مقام سے پھسلا نہ دیں۔ اسباب کی دنیا میں مدارس کے ساتھ تعاون جاری رکھنا، انہیں ضروریات فراہم کرتے رہنا، اور منفی حیلوں کے ذریعے انہیں پہنچائے جانے والے نقصانات کی تلافی کرنا آپ حضرات کی دینی ذمہ داریوں میں سے ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بے پناہ اجر وثواب ہے۔ اس لیے اپنے تعاون اور توجہات کو مسلسل جاری رکھیں اور اس میں کوئی کمی نہ آنے دیں۔

اللہ اللہ کرنے والے بزرگوں اور راتوں کو نماز و دعا کے لیے جاگنے والے اہل اللہ سے گزارش ہے کہ وہ اپنی پرخلوص دعاؤں میں مزید اضافہ کریں کہ ہمارا اصل ہتھیار اور اساس یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا اپنا کام صحیح طور پر کرنے کی توفیق دیں، آمین یا رب العالمین۔

پاکستان پیپلز پارٹی کا تحفظ ختم نبوت سیمینار

23 ستمبر کو اپنے آبائی شہر گکھڑ میں پاکستان پیپلز پارٹی کے زیراہتمام منعقدہ ’تحفظ ختم نبوت سیمینار‘‘ میں حاضری زندگی کا ایک خوشگوار تجربہ ثابت ہوئی۔ پاکستان پیپلز پارٹی گکھڑ کے صدر میاں راشد طفیل کے والد گرامی میاں محمد طفیل مرحوم مجاہد ختم نبوت آغا شورش کاشمیری کے حلقہ احباب میں شامل اور تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد میں ان کے سرگرم معاون تھے۔ جبکہ میاں محمد طفیل مرحوم کے بڑے بھائی میاں فاضل رشیدی مرحوم پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی ارکان میں شمار ہوتے تھے اور ایک عرصہ تک پیپلز پارٹی گوجرانوالہ کے چیئرمین رہے ہیں۔ اور ان کے والد محترم ماسٹر کرم دین مرحوم میرے والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے ابتدائی ساتھیوں میں سے تھے۔ اس حوالہ سے یہ خاندان پاکستان پیپلز پارٹی میں متحرک ہونے کے ساتھ ساتھ دینی معاملات میں شروع سے ہمارا معاون چلا آرہا ہے۔

میاں راشد طفیل نے چند روز قبل مجھے بتایا کہ وہ گکھڑ میں تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں سیمینار منعقد کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں تو بے حد خوشی ہوئی اور حاضری کا وعدہ کر لیا۔ وہاں حاضر ہو کر پتہ چلا کہ یہ کوئی رسمی سا پروگرام نہیں بلکہ باقاعدہ ’’کل جماعتی ختم نبوت کانفرنس‘‘ تھی جو ایک بڑے شادی ہال میں منعقد ہوئی جس میں پورے علاقہ سے مختلف مذہبی مکاتب فکر اور سیاسی جماعتوں کے راہنما و کارکن بڑی تعداد میں شریک تھے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی صوبائی اور ضلعی قیادت بھی موجود تھی، پارٹی کے صوبائی صدر جناب قمر الزمان کائرہ مہمان خصوصی تھے اور ان کے علاوہ جناب تنویر

اشرف کائرہ، میاں اظہر حسن ڈار، چودھری محمد اشرف سندھو، راؤ اکرام علی خان اور دیگر پارٹی راہنما بھی شریک محفل تھے۔ مختلف مکاتب فکر کے راہنماؤں میں مولانا شاہ نواز فاروقی، مولانا پروفیسر عبد الرحمٰن جامی، مولانا قاری محمود اختر عابد، مولانا فہیم الرحمان، قاری خالد محمود اور دیگر حضرات نے خطاب کیا۔

میں نے پاکستان پیپلز پارٹی کی صوبائی اور ضلعی قیادت کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانی مسئلہ کے حل میں پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم اور دیگر راہنماؤں کے کردار کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا اور کہا کہ پاکستان کو دستوری طور پر اسلامی ریاست کا درجہ دینے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ختم نبوت کے مسئلہ کو حل کرنے میں بھٹو مرحوم اور ان کی پارٹی کا کردار بہت اہم ہے جو تاریخ کا حصہ ہے۔ اور صرف ایک بار نہیں بلکہ دوسری بار پاکستان پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں ہی پورے دستور پر نظر ثانی کے دوران ان فیصلوں کا تحفظ کر کے اور انہیں بعینہ برقرار رکھ کر پاکستان کے اسلامی تشخص کے تسلسل اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے پارلیمنٹ نے پوری قوم کی طرف سے اس موقف کی جو تجدید کی تھی، اس کا سہرا بھی پاکستان پیپلز پارٹی کے سر ہے۔

مگر آج قومی اور بین الاقوامی سطح پر ان قومی فیصلوں کو بہت سے چیلنجز درپیش ہیں۔ قادیانیوں نے ان فیصلوں کو آج تک تسلیم نہیں کیا بلکہ بین الاقوامی فورمز پر وہ ان دستوری اور جمہوری فیصلوں کو مسترد کرتے ہوئے ان خلاف مورچہ بندی جاری رکھے ہوئے ہیں، جبکہ دستور پاکستان کی اسلامی اساس اور دفعات کو بھی مختلف دائروں میں چیلنج کیا جا رہا ہے۔ اس لیے ہم پاکستان پیپلز پارٹی سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان اہم قومی، جمہوری اور دستوری فیصلوں کے تحفظ کے لیے بھی سرگرم کردار ادا کرے گی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے صوبائی صدر جناب قمر الزمان کائرہ نے اس حوالہ سے پر مغز اور بامقصد گفتگو کی جس سے مجھے یہ اطمینان ہوا کہ پارٹی میں ایسے حضرات موجود اور مؤثر ہیں جو ان مسائل کا ادراک رکھتے ہیں اور انہیں حل کرنے کا عزم بھی رکھتے ہیں۔ کائرہ صاحب نے ملکی و عالمی صورتحال پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور کہا کہ ہمیں ایک ملت اور قوم کے طور پر وطن عزیز اور عالم اسلام کو درپیش چیلنجز کا مقابلہ کرنا ہوگا اور گروہی و فرقہ وارانہ تقسیم سے بالاتر ہو کر قومی جذبہ کے ساتھ ملی وحدت اور قومی سلامتی کے لیے کام کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ وہ دستور پاکستان کے اسلامی تشخص اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے قانون کے خلاف مختلف حلقوں میں جاری منفی سرگرمیوں سے آگاہ ہیں اور قوم کے ان تاریخی فیصلوں کی پاسداری کے لیے کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے دیگر راہنماؤں نے بھی اپنے خطابات میں اسی قسم کے جذبات پیش کیے اور اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ گکھڑ کی پیپلز پارٹی نے ایک اہم دینی و قومی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس مشترکہ سیمینار کا اہتمام کیا ہے۔ سیمینار میں پاکستان مسلم لیگ (ن) گکھڑ کے صدر اور بلدیہ گکھڑ کے چیئرمین میر مظہر بشیر نے علالت کے باعث اپنے نمائندہ کے ذریعے سیمینار کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا اور اس اہم سیمینار کے انعقاد پر مبارکباد پیش کی۔